پاکستان میں اُردو سٹیج ڈرامے کی تدوین کی روایت۔۔۔معیار، مسائل، ضرورت اور سفارشات

ڈاکٹر محمد سلمان بھٹی
پرنسپل انویسٹی گیٹر، NRPU 11880، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور
ڈاکٹر نعیم سرور
معاون/کوپرنسپل انویسٹی گیٹر، NRPU 11880، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ایجوکیشن، یونیورسٹی ایجوکیشن ملتان کیمپس، ملتان
ڈاکٹر سمیر احمد
اشتراکی ممبر، NRPU 11880، اسسٹنٹ پروفیسر، سابقہ ایڈوائزر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ڈرامیٹک کلب و حالیہ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ

Abstract

Following the partition of the Indian subcontinent in 1947, there were few attempts either on institutional or individual levels to transcribe, edit and preserve the play-texts or scripts of plays written in the Urdu language. Even these scarce attempts were limited to preserving what were deemed to be highly literary works or constituted the ‘classics’. This thwarted any significant evolution of theatre in Urdu in Pakistan. The advent of television plays or soaps proved another stumbling block for theatre. This study traces the history of the transcription, compilation and editing of Urdu stage plays in Pakistan from 1947 to 2022, as it simultaneously explores and analyses the context of this tradition of preserving play-texts. The Higher Education Commission of Pakistan (HEC) has played a significant role in the endeavor to compile and edit fifteen of the most well-written, thematically significant and culturally relevant unpublished play-texts in Pakistan. The present study acknowledges the role of the HEC. Moreover, in collaboration with the NRPU, the present project has studied, analyzed, compiled and edited original unpublished play-texts from the country, and has also presented its findings to promote creative writing for stage. It has also suggested measures for preserving and publishing such plays. These recommendations have been made with a view to promote Urdu theatre among the youth in Pakistan, and to make theatre itself a career option for talented young writers, directors, actors and technicians. The overall aim is to revive theatre in a way that it represents and debates Pakistan’s social, economic and political realities.

Key Words: Editing, Text, Stage, Dramas, Manuscript, Plan, Project, Institutions, Tradition, Pakistan

اردوڈرامے کا جنم غیر منقسم ہندوستان میں ہوا۔ یہاں یہ ذکر تو بے جا نہ ہو گا کہ ڈرامے کی ابتدا ہی سے اس کے ساتھ ناروا سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔ ادیبوں نے اس پر طبع آزمائی کرنا اکسر شان سمجھا۔ پڑھے لکھے، تربیت یافتہ اور تہذیب یافتہ افراد نے بھی اس جانب زیادہ توجہ صرف نہ کی۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کی بدولت اُردو ڈرامہ دیگر اصناف کے مقابلے میں اُس صحت مندی کے ساتھ پروان نہیں چڑھ سکا جیسے افسانہ، مختصر افسانہ، ناول اور ناولٹ پروان چڑھے۔ اس ناروا سلوک کی وجہ سے اردوڈرامے کی تاریخ ابہام کے دفتر میں دب کر رہ گئی۔ کلاسیکی اُردو ڈراموں اور حتی کہ تقسیم سے تاحال تحریر کیے گیے جدید رجحانات اور نئے موضوعات پر تحریر کردہ طبع زاداُردو سٹیج ڈرامے بھی بڑی تعداد میں منظر عام پر نہ آسکے جتنی توقع کی جاسکتی تھی۔ اُردو سٹیج ڈراما خصوصا آج نظر انداز کیا گیا ہے۔ امتیاز علی تاج نے تقسیم کے بعد تدوین ڈراما کے حوالے سے خاطر خواہ خدمات

انجام دیں لیکن یہ سلسلہ محض کلاسیکی ڈراموں تک محدود رہا مزید یہ کہ امتیاز علی تاج صاحب کی وفات کے بعد یہ کام کھٹائی میں پڑ گیا۔ آج ناقدین، محققین و مدونین اُردو کلاسیکی ڈراموں اور جدید اور موجودہ سٹیج ڈراموں سے متعلق تنقید یا کوئی مستند رائے قائم کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ تدوین ڈراما کی روایت میں کمزوری کی کیا وجوہات ہیں اور یہ روایت کیوں نہ پنپ سکی اس حوالے سے امتیاز علی تاج لکھتے ہیں:

> ”ہوتا عموماً یوں تھا کہ کمپنی کا کوئی ایکٹر، جسے سارا ڈراما ازبر ہوتا چند روپوں کے معاوضے میں بعض چھوٹے اور غیر ذمہ دار کتب فروشوں کے منشیوں کو ڈراما بول کر لکھوا دیتا تھا ایکٹروں اور منشیوں کی استعداد، عموماً خواندگی کی حد سے زیادہ نہ ہوتی تھی، چناں چہ دونوں کے تعاون سے (جو مسودہ تیار ہوتا) اس میں زبان اور املا کی غلطیاں بہت زیادہ ہوتی تھیں، پھر ڈراما طبع ہوتا تو اُس میں کتابت کی غلطیوں کا اضافہ ہوتا۔ اُن تاجر انِ کتب کو کاپیاں پروف دیکھنے کی ضرورت کا مطلق احساس نہ تھا، چناچہ ڈراما چھپتا تو اغلاط کی پوٹ ہوتا اور ہر نیا ایڈیشن پرانی غلطیوں میں نئی غلطیوں کا اضافہ کرتا چلا جاتا۔“[1]

یہ صورتحال قیام پاکستان سے قبل تھی تقسیم کے بعد پاکستان میں ڈراموں کی تدوین کی ایک صورت نکلی۔ ۱۹۳۵ء میں جامعہ پنجاب نے ایم۔اے اُردو میں ڈرامہ کے پرچے کے لیے سید امتیاز علی تاج کو ممتحن مقرر کیا۔ پرچے کے سوالات کے سطحی جوابات امتیاز علی تاج کے لیے انتہائی حیران کن تھے بقول امتیاز علی تاج:

> ”کالج کے (جو پروفیسر) اردو ڈراما پڑھاتے ہیں، میں نے انہیں اس طرف توجہ دلائی تو ان میں سے تقریباً ہر ایک نے مجھ سے یہی کہا کہ ڈراما ادب کی ایک اہم صنف کی حیثیت سے اردو نصاب میں شامل تو کر لیا گیا ہے، لیکن اس کے متعلق تمام حالات اس قدر تاریکی میں ہیں کہ طلبہ تو ایک طرف، خود ہمیں ڈرامے کے متعلق نہایت ضروری معلومات حاصل نہیں“[2]

امتیاز علی تاج کو اساتذہ کی جانب سے موصول ہونے والے تحفظات کچھ یوں تھے:

۱ : ڈرامے سے متعلق تاریخی معلومات پردہ اخفا میں ہیں۔ طلبہ تو ایک طرف ہم اساتذہ بھی اس علمی سرمایہ سے ناواقف ہیں۔

:۲ اُردو ادب کی تاریخ سے ہٹ کر ڈرامے اور اس کی تاریخ سے متعلق علیحدہ سے کوئی مستند ایڈیشن یا تاریخ شائع نہیں کی گئی۔

:۳ اُردو ڈراموں کے طبع شدہ ناقص مسودے بھی دسترس میں نہیں رہے اور ناپید ہیں۔

:۴ اُردو ڈرامے پر کوئی معیاری تنقیدی کتب بھی موجود نہیں۔

:۵ نہ ہی موجودہ اُردو ڈراموں کے مسودے موجود ہیں جنہیں پڑھ کر ان ڈراموں کی فنی، موضوعاتی اور تکنیکی خوبیوں اور خامیوں کا

اندازہ لگایا جا سکے۔

اِن تحفظات نے امتیاز علی تاج کو اردو ڈراموں کی تدوین و طبع پر اکسایا۔ امتیاز علی تاج کو بچپن ہی سے ڈرامے سے لگاؤ تھا اور اس لگاؤ اور دلچسپی کے باعث وہ کئی ڈرامے محفوظ بھی کر چکے تھے۔ لیکن ان کی یہ خواہش کچھ مصروفیات کے باعث پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔ لیکن امریکن ڈرامے کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے اُردو ڈرامے کی تدوین کی خواہش نے پھر سے کروٹ لی۔ اس صورتحال کے پیش نظر امتیاز علی تاج نے ۱۰ مئی ۱۹۵۷ء کو صدر مجلس ترقی ادب، لاہور کو ایک خاکہ پیش کیا جس میں ڈرامے کے طلبہ اور ڈرامہ نگاروں کو مستقبل میں درپیش مشکلات کے امکانات کے پیش نظر یہ بتایا گیا کہ:

> "اس قسم کی ضرورتوں کے احساس سے اور یہ دیکھ کر کہ اردو ڈرامے روز بہ روز نایاب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کچھ عرصہ بعد شاید گم ہو جائیں۔ مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اپنی دوسری مصروفیات کو ترک کر کے، سب سے پہلے، اس کام کی طرف توجہ کروں۔"[3]

امتیاز علی تاج نے اسی خاکے میں قدیم شائع شدہ اُردو ڈراموں کی اغلاط کی نشاندہی کے بعد خاکہ پیش کیا جو ڈراموں کی تدوین کے حوالے سے انہوں نے تیار کر رکھا تھا۔ اس خاکہ کی اہمیت اس لیے بھی مسلم ہے کہ یہ پاکستان میں ڈرامے کی تدوین کے حوالے سے پہلا عملی قدم تھا، بعد ازاں اسی خاکہ کی طرز پر پروفیسر سید وقار عظیم، عشرت رحمانی اور میرزا ادیب نے بھی کئی کلاسیکی اُردو ڈراموں کی تدوین کے سلسلے میں خدمات انجام دیں۔ اُردو ڈرامے کی تدوین کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں امتیاز علی تاج کے اس پیش کردہ خاکہ کو نقل کرنا ضروری ہے:

> **"۱۔ لکھنو کی اندر سبھائیں:**
>
> اس کتاب میں ایک مفصل مقدمہ ہو گا، جس میں اس زمانے کا اقتصادی، تمدنی اور ادبی پس منظر بیان کر کے، تاریخوں کے تعین کے ساتھ بحث ہو گی کہ واجد علی شاہ کے زمانے میں اردو ڈراما کیوں کر وجود میں آیا؟ لکھنو کی اندر سبھاؤں کی خصوصیات کیا تھیں اور وہ سٹیج پر کیوں کر پیش کی جاتی تھیں؟ اس کے ساتھ واجد علی شاہ کی ابتدائی کوششوں کے نمونے، اُن کی اُن مثنویوں کا تذکرہ،

جن کے اُنہوں نے رَہس تیار کیے۔امانت کی اِندر سبھا، مداری لال کی اِندر سبھا، افسوس کی بزمِ سلیمان اور جشنِ پرستان۔

۲۔ بمبئی کے مقبول و معروف اُردو ناٹک:

اس کتاب کے مقدمے میں یورپیئن امپیچورز کے اُن تماشوں کا ذکر ہو گا، جو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے پہلے بمبئی میں پیش کیے گئے۔ اُن سے متاثر ہو کر شوقیہ کام کرنے والوں نے جو ابتدائی کھیل پہلے کنٹری، پھر گجراتی اور اس کے بعد اردو میں لکھے اور جو شائع نہیں ہوئے، اُن کے نام اور اُن کے سٹیج پر پیش ہونے کے جتنے بھی حالات محفوظ ہیں، ان کا تذکرہ ہو گا۔ اُس کے بعد یہ کام پارسی پیشہ وروں نے سنبھال لیا۔ اُردو کے شاعر اور مصنف ملازم رکھ کر اُن سے انگریزی ڈراموں کے ڈھنگ پر، اردو میں ڈرامے لکھوانے کی کوششیں کیں۔ اُن ڈراموں اور ڈرامانویسوں اور اُن کے سٹیج کے کارناموں پر سیر حاصل بحث ہو گی۔ اس بات کا تعین ہو گا کہ ایک ہی نام کے کئی ڈراموں میں سے پہلا کس نے لکھا اور بعد میں کس کس نے اُن میں کیا کیا تبدیلیاں کیں اور کیوں کیں؟ وغیرہ۔ اس کتاب میں، جو شاید ایک سے زیادہ حصوں میں شائع ہو گی۔ مندرجہ ذیل ڈرامے ہوں گے۔

۱۔ ایدل جی جمشید جی کھوری کے خورشید اور نور جہاں: مطبوعہ ۱۸۷۳ء

۲۔ خان بہادر نسروان جی آرام کے لعل و گوہر: مطبوعہ ۱۸۷۳۔ خاتم: مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔ گل بہ صنوبر چہ کرد، نثر کا ڈراما: مطبوعہ ۱۸۷۳ء۔ بے نظیر بدر منیر: مطبوعہ ۱۸۷۳ء

۳۔ محمود میاں رونق کے انصاف محمود شاہ غزنوی: مطبوعہ ۱۸۷۳۔ سانحہ دل گیر عرف رانجھا ہیر: مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔ خونِ عاشق۔ مطبوعہ ۱۸۸۶ء

۴۔ ظریف پر ایک نوٹ کہ وہ ڈرامانویس نہیں تھے، بل کہ بمبئی کے ایک پبلشر کے ایڈیٹر تھے۔

۵۔ الف۔ خان حباب رام پوری کے غزالہ ماہ رو جشن کنور سین۔

۶۔ کریم الدین کریم دہلوی کا چتر ا بکاؤلی: مطبوعہ ۱۸۸۶ء اور ستم گراں: مطبوعہ ۱۸۸۶

۷۔ مراد علی مراد لکھنوی کا دھوپ چھانو: مطبوعہ ۱۸۹۶ء اور آب ابلیس: مطبوعہ ۱۸۹۴ء

۸۔ عبداللہ بیگ کا شکنتلا

۹۔ نظیر بیگ کا اندھیر نگری

۱۰۔ سید میر عباس علی کا گُل رُوزرینہ اور جامِ جہاں نما

۱۱۔ حکیم نظامی کا داغِ حسرت

۱۲۔ فائق کا راجا بھرتری

۱۳۔ نامعلوم کا کنک تارا

نوٹ: مندرجہ بالا فہرست میں تبدیلیوں کا اِمکان ہے۔

۳۔ مشرقی بنگال کے ناٹک:

اس کتاب میں ایک مفصل مقدمہ ہو گا، جس میں بتایا جائے گا کہ:

ڈراما، مغربی بنگال سے مشرقی بنگال میں کیوں کر پہنچا؟

وہاں کن کن ڈرامانویسوں نے کون کون سے ڈرامے لکھے؟

کون کون سی کمپنیاں بنیں؟

انہوں نے یہ ڈرامے کیوں کر پیش کیے؟

ان ڈراموں کی خصوصیت کیا تھیں؟

وہاں ڈراما کیوں ختم ہو گیا اور کس طرح مشرقی بنگال کے ڈراموں کو سامنے رکھ کر، بعد میں بمبئی کے ڈرامانویسوں نے ڈرامے لکھے۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل ڈرامانویسوں کی تصانیف تلاش کر کے شامل کی جائیں گی:

۱۔ نواب علی بخش کان پوری ۲۔ شیخ پیر بخش کان پوری ۳۔ حکیم حسن مرزا برق

۴۔ ماسٹر احمد حسین وافر ۵۔ مرزا دل جان قمر ۶۔ نواب احسان اللہ بہادر نواب ڈھاکہ ۷۔ حکیم حبیب الرحمٰن شمس الاطبائی

۴۔ نانک پرشاد طالب بنارسی کے ناٹک:

اس میں ایک مفصل مقدمہ ہو گا کہ طالب نے ڈرامے کو حقیقت پسندانہ رنگ دینے کے لیے کیا کوشش کی اور اُن کے مندرجہ ذیل ڈرامے ہوں گے:

۱۔ لیل ونہار ۲۔ نگاہِ غفلت ۳۔ دلیر دل شیر ۴۔ نادان

۵۔ راجا گوپی چند

۶۔ راجا ہریش چندر

۵۔ مہدی حسن احسن کے ناٹک:

اس میں احسن کے حالات زندگی، اُن کے ڈراموں کی خصوصیات اور مندرجہ ذیل ڈرامے ہوں گے:

۱۔ چندراولی ۲۔ دل فروش ۳۔ بھول بھلیاں

۴۔ بزم فانی ۵۔ خونِ ناحق ۶۔ شریف بدمعاش

۷۔ چلتا پرزہ

۶۔ آغا حشر کے ناٹک:

اس میں مفصل مقدمہ اور مندرجہ ذیل اردو ڈرامے ہوں گے:

۱۔ مریدِ شک ۲۔ شہیدِ ناز ۳۔اسیر حرص

۴۔ سفید خون

۵۔ صیدِ ہوس ۶۔ خوابِ ہستی ۷۔ خوب صورت بلا

۸۔ سلور کنگ

۹۔ یہودی کی لڑکی ۱۰۔ ترکی حور ۱۱۔ رستم وسہراب

۷۔ متفرق مقبول ناٹک:

جن میں مفصل مقدمہ اور مندرجہ ذیل ڈرامے ہوں گے:

۱۔ عباس کا پنجاب میل اور شاہی فرمان ۲۔ مائل کا تیغِ ستم ۳۔ محشر کا خونِ جگر

۴۔ نازاں کا خاکی پتلا اور نورِ وطن ۵۔ رحمت کا درد جگر ۶۔ بے تاب کا قتلِ نظیر اور گورکھ دھندا

۷۔ ذائق کا قدرت کا انصاف اور جاں نثار

۸۔ فروغ کا بھولا شکار اور نیا زمانہ"

نوٹ: ممکن ہے اس فہرست میں اور ڈرامے بھی شامل کیے جائیں۔"[4]

درج بالا خاکہ کو اس لیے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اسی خاکہ کی بنیاد پر امتیاز علی تاج نے مختلف خِطوں میں اردو ڈرامے کے ارتقا، روایت اور ڈرامہ نویسوں کے احوال بیان کرنے تھے۔ اس قابل قدر تدوینی منصوبے کو عملی جامہ پہنانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا کیونکہ ڈراموں کی تدوین کے لیے مختلف ایڈیشنز، اصل مسودات، نامعلوم مصنفین کے ڈراموں، مختلف ناشروں کی جانب سے مختلف مصنفوں سے از سر نو لکھوائے گئے ڈراموں کی صحیح معلومات تک رسائی حاصل کرنا مقصود تھا۔ اور طرہ یہ کہ مذکورہ تمام معلومات کی فراہمی صرف پاکستان میں رہ کر ممکن نہ تھی۔ وہ ان مشکلات کا ذکر مرتبہ ڈرامے "خورشید" کے پیش لفظ میں بھی کرتے ہیں۔

پاکستان میں ڈرامے کے کئی نسخے موجود نہ تھے یہی وجہ ہے کہ تاج نے لکھنو، دہلی، کلکتہ اور بمبئی کے کئی مرتبہ سفر کیے۔ یہی نہیں بلکہ

انہوں نے ان لوگوں سے ڈرامے خریدنے کا سامان بھی کیا، جن کے ذاتی کتب خانوں میں ڈراموں کے مختلف ایڈیشنز موجود تھے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"چناں چہ میں چاہتا ہوں کہ جن حضرات کے کتب خانوں میں ڈرامے موجود ہوں، وہ از راہ نوازش، انہیں میرے ہاتھ فروخت کر کے مجھے احسان مند ہونے کا موقع بخشیں۔۔۔ جن حضرات کے پاس لکھنئو، کان پور، الہ آباد، پٹنہ، ڈھاکہ، آگرہ، بمبئی، حیدر آباد دکن، دہلی، لدھیانہ، امرت سر اور لاہور میں چھپے ہوئے ڈرامے موجود ہوں، وہ ان کی فہرست بنا کر اور اس کے ساتھ اُن کا سنہ

طباعت، پبلشر کا نام اور قیمت لکھ کر مجھے بھیج دیں، تا کہ میں دیکھ لوں کہ مجھے اُن کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر ضرورت ہو تو قیمت ادا کر کے، اُن سے خرید لوں۔"[5]

اس حکمت عملی کے تحت امتیاز علی تاج نے سٹیج ڈراموں کے کئی مسودے یکجا کیے۔ اس سلسلے کی پہلی جلد سنہ ۱۹۶۹ء میں منظر عام پر آئی۔ اور ابھی تقریباً سات جلدیں ہی مکمل کر پائے تھے کہ اجل نے آ پکارا۔ چھ جلدیں جو اٹھارہ ڈراموں پر مشتمل تھیں، ان کی زندگی ہی میں طبع ہو گئیں۔ ساتویں جلد جو درحقیقت "جلد ہشتم" تھی، ان کی وفات کے بعد چھپی۔ پروفیسر حمید احمد خان لکھتے ہیں کہ:

"مجوزہ تیس جلدوں میں سے پہلی چھ جلدیں، جو اٹھارہ ڈراموں پر مشتمل تھیں، مرحوم کی زندگی میں شائع ہو گئیں۔ ایک اور جلد (جلد ہشتم) جس کی ترتیب مرحوم نے مکمل کر دی تھی، ان کی وفات کے بعد چھپی۔"[6]

وہ تمام ڈرامے، تبصرے، فلیپ وغیرہ جو امتیاز علی تاج نے مرتب کیے تھے، ان کا تفصیلی جائزہ "سید امتیاز علی تاج کی تمثیل شناسی" میں ڈاکٹر محمد سلیم ملک نے لیا ہے۔ ان ڈراموں کی مرتب شدہ جلدوں میں تبصرے، ڈرامانویسوں کے حالاتِ زندگی، ڈرامے کی روایت اور ارتقا کے متعلق کئی مضامین شامل ہیں، جو اردو ڈرامے اور ڈرامہ نگاروں کے متعلق اہم معلومات سے پُر ہے امتیاز علی تاج نے ایدل جی جمشید جی کھوری کا ایک ڈراما "خورشید" جلد اول کی صورت میں مرتب کیا، جلد دوم "آرام کے ڈرامے (حصہ اول)"، جلد سوم، آرام کے ڈرامے (حصہ دوم)، جلد چہارم "ظریف کے ڈرامے"، جلد پنجم "رونق کے ڈرامے (حصہ اول)، جلد ششم "رونق کے ڈرامے (حصہ دوم) جبکہ جلد ہشتم "حباب کے ڈرامے" کے عنوان سے مرتب کی۔ یہ تمام جلدیں امتیاز علی تاج نے مرتب کیں، جن میں کل بائیس ڈرامے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کچھ جلدوں کی جزوی ترتیب اور اُن پر جزوی تحشیہ کا کام بھی کر رکھا تھا۔ امتیاز علی تاج کی وفات کے بعد ان کے نامکمل کام کے تکمیل کی ذمہ داری مجلس ترقی ادب کے نئے ڈائریکٹر پروفیسر حمید احمد خاں نے پروفیسر سید وقار عظیم کو ان کے ڈرامائی ادب کے شغف کی بنا پر سونپی۔

پروفیسر وقار عظیم، امتیاز علی تاج کے دوست تھے، انہوں نے اپنے مرحوم دوست کے اس عظیم منصوبے کی ذمہ داری ملنے پر اسے دل و جان سے قبول کیا اور اسی خاکے پر مزید کام شروع کر دیا۔ پروفیسر سید وقار عظیم، امتیاز علی تاج کے ادھورے کام کو مکمل کرتے ہوئے صرف پانچ جلدوں کو ہی مرتب کر سکے، جن میں کل چودہ ڈرامے شامل تھے لیکن مزید تدوین کے لیے زندگی نے وفا نہ کی۔ ان پانچ جلدوں میں بھی کچھ جلدوں کی جزوی ترتیب یا جزوی تحشیہ کا کام امتیاز علی تاج کا ہے۔

"ان کے علاوہ اس سلسلے کی جتنی بھی جلدیں شائع ہو رہی ہیں، ان میں صرف چند ابتدائی جلدوں کی جزوی ترتیب یا جزوی تحشیہ سید امتیاز علی تاج مرحوم کر چکے تھے۔۔۔ ساتویں سے تیسویں جلد تک (بہ استثنائے جلد ہشتم) فراہم شدہ مسودات کی نظر ثانی اور متن سے متعلق تعارف، تحشیے اور تبصرے کا تقریباً پورا کام پروفیسر سید وقار عظیم کی توجہ اور انہاک کا شرمندۂ احسان ہے۔"[7]

پروفیسر وقار عظیم کے مرتب کیے گئے ڈراموں میں جلد ہفتم "کریم الدین مراد کے ڈرامے"، جلد نہم "نامعلوم مصنفین کے ڈرامے"، جلد دہم "حافظ عبد اللہ کے ڈرامے اور جلد یازدہم "متفرق مصنفین کے ڈرامے شامل ہیں ان میں جلد نہم "نامعلوم مصنفین کے ڈرامے" میں شامل دو ڈراموں فتنہ و خانم اور ظلم وحشی پر تبصرہ و تحشیہ کا کام امتیاز علی تاج نے کر رکھا تھا جسے اس میں شامل کیا گیا ہے۔

پروفیسر وقار عظیم کی وفات کے بعد ڈراموں کی تدوین کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر رک گیا۔ مجلس ترقی ادب، لاہور کے نئے ڈائریکٹر احمد ندیم قاسمی نے کلاسیک ڈراموں کی اشاعت کے لیے بہت کوششیں کیں لیکن کچھ مجبوریوں اور خصوصاً بجٹ کی کمی کے باعث یہ کام عرصہ دراز تک کھٹائی میں پڑا رہا۔ آخر مشاورتی بورڈ کی منظوری کے بعد آغا حشر کاشمیری کے ڈراموں کی اہمیت کے مدّ نظر ان کے ڈراموں کا انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا۔

> ”آخر کار ندیم نے مسلسل مساعی کے بعد مشاورتی بورڈ کے اراکین کی منظوری اس مقصد کے لیے حاصل کی کہ متقدمین کے ڈراموں کے مجموعے (جن کی تعداد بہت زیادہ ہے) فی الحال مرتب نہ کرائے جائیں بلکہ متاخرین میں سے چونکہ آغا حشر کاشمیری کو اولیت و اہمیت حاصل ہے اور ان کے ڈرامے ہر لحاظ سے ان کے معاصرین کے مقابلے میں بہتر ہیں، لہٰذا آغا کے فن اور شخصیت کی تفصیلات کو شامل کر کے، بعد ضروری تصحیح کے یہ ڈرامے پانچ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کر دیے جائیں۔“[8]

آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے، فن اور شخصیت کو مع تفصیلات پانچ جلدوں میں مرتب کرنے کی ذمہ داری عشرت رحمانی کو سونپی گئی۔ ان پانچ جلدوں میں عشرت رحمانی نے آغا حشر کے چودہ ڈرامے مرتب کیے۔ جلد اول میں آغا حشر کاشمیری کی سوانح اور فن ڈراما نگاری پر تجزیہ و تبصرہ کے علاوہ دو ڈرامے اسیر حرص اور ٹھنڈی آگ شامل ہیں۔ جلد دوم میں تین ڈرامے، شہید ناز عرف اچھوتا دامن، صید ہوس اور سلور کنگ عرف نیک پروین، جلد سوم میں تین ڈرامے خوبصورت بلا، خواب ہستی، بلوا منگل عرف سور داس، جلد چہارم میں تین ڈرامے سفید خون، یہودی کی لڑکی اور بن دیوی جبکہ پانچویں جلد میں آنکھ کا نشہ، ترکی حور اور رستم و سہراب شامل ہیں۔

امتیاز علی تاج نے جو اولین خاکہ پیش کیا تھا، درج بالا سبھی جلدیں اسی تحقیقی و تدوینی پروگرام کا تسلسل تھیں۔ اس خاکہ پر کام کرنے والوں میں آخری نام عشرت رحمانی کا تھا۔ اس کے بعد مجلس ترقی ادب کے ڈائریکٹر احمد ندیم قاسمی نے رفیع پیرزادہ کے ڈراموں کی تدوین کا کام میرزا ادیب کو سونپا۔ میرزا دیب نے رفیع پیرزادہ کے ڈراموں کی جو جلد مرتب کی، اس میں رفیع پیر کے ڈراموں پر مفصل مضمون کے ساتھ مزید ایک مقالہ ”پاکستان میں ڈرامے کا مستقبل“ بھی شامل کیا، جو رفیع پیر نے ۱۹۶۰ء میں تحریر کیا تھا۔ اس جلد میں رفیع پیر کے آٹھ سٹیج اور ریڈیائی ڈراموں کی تدوین کی گئی جن میں نقاب، موت سے ملاقات، سناٹا، راز و نیاز، دیوانہ بکار خویش ہشیار، ساحل، مار آستین اور نواب قبلہ شامل ہیں۔ مجلس ترقی ادب کے ماتحت کلاسیک ڈراموں کے حوالے سے اٹھارہ جلدیں شائع ہوئیں جن میں کُل ۵۸ ڈرامے شامل ہیں۔ پاکستان میں ان کلاسیک ڈراموں کی تدوین اور مسلسل اشاعت کا اعزاز صرف مجلس ہی کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آئینہ ادب لاہور نے بھی آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے شائع کیے۔ ان ڈراموں کی

تدوین کے علاوہ مجلس ترقی ادب نے کچھ ڈراموں کے تراجم بھی شائع کیے اور یہ تراجم ایسے کہنہ مشق افراد نے کیے جنھوں نے اُن ڈراموں کو سٹیج بھی کیا۔[9]

کلاسیکی ڈرامے اپنا تاریخی وجود ضرور رکھتے ہیں یہ ضروری تھا کہ اپنے ادبی تاریخی ورثہ کی حفاظت کی جائے تاکہ عہد بہ عہد اس صنف ادب میں جدت کا امتزاج پیدا ہو اور اس میں فنی و موضوعاتی ترقی کے امکانات روشن ہوتے رہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کلاسیکی ڈراموں کی اشاعت کے بعد کسی انفرادی یا ادارے کی سطح پر ڈرامے کی تدوین اور خصوصاً پاکستانی سٹیج ڈرامے کی کام نہیں کیا گیا۔ کلاسیکی ڈراموں کے ساتھ ساتھ قیام پاکستان کے بعد سٹیج کردہ ڈراموں تدوین و اشاعت بھی ناگزیر تھی، ضروری تھا کہ مجلس ترقی ادب نے کلاسیک ڈراموں سے جو گرد کسی حد تک صاف کی تھی وہ ۱۹۴۷ء کے بعد تحریر کیے گیے پاکستانی سٹیج ڈراموں پر نہ پڑنے دی جاتی، لیکن مجلس کا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ تقسیم کے بعد پاکستانی ڈرامہ مختلف مدارج طے کرتا رہا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان کے مختلف شہروں میں مختلف ذرائع سے پیش کردہ ڈراموں میں محض کچھ ہی ڈرامے زیور طبع سے آراستہ ہو سکے۔ ان میں سٹیج ڈراموں کے حوالے سے علی احمد، میرزا ادیب، امتیاز علی تاج، منٹو، خواجہ معین الدین، بانو قدسیہ، کمال احمد رضوی، اصغر بٹ، سرمد صہبائی، شاہد ندیم اور منیر راج کے نام قابل ذکر ہیں جبکہ ٹی وی ڈراموں میں ابصار عبدالعلی، اشفاق احمد، ڈاکٹر انور سجاد، اصغر ندیم سید، امجد اسلام امجد اور یونس جاوید کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے اکثر شائع شدہ پاکستانی سٹیج ڈراموں کی دوسری اشاعت کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی اور جو ہیں اُن میں سے کئی اب ناپید ہوتے جا رہے ہیں طرہ یہ کہ کوئی ادارہ انہیں از سر نو شائع کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ اس سلسلے میں تدوین کے حوالے سے مجلس ترقی ادب کے بعد ایک دو کوششیں انفرادی اور ایک کوشش ادارے کی سطح پر منظر عام پر آئی۔ ان میں انتظار حسین کے دو غیر مطبوعہ ڈرامے "نیا گھر" اور "بھنور" از انتظار حسین جنھیں ڈاکٹر محمد نوید نے ادارہ فروغ اُردو کے توسط سے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا اور اسی دوران یونیورسٹی آف ایجوکیشن میں ایم۔ فل ڈگری کی سطح پر طالب علم عدیل سلطان نے بھی انہی دونوں ڈراموں کی تدوین کی، دونوں میں حقائق کی صحت سے متعلق اختلاف ہیں جس سے یہاں بحث نہیں لیکن یہ دونوں تدوینی کاوشیں بھی لائق تحسین ہیں کیونکہ پاکستان میں نئے سٹیج ڈراموں کی تدوین و تحقیق پر محدود سطح پر کام کیا گیا ہے۔ ان کوششوں کے بعد لمز یونیورسٹی نے "آڑے ترچھے آئینے" کے عنوان سے سرمد صہبائی کے ۱۹، سٹیج ڈرامے مدون کر کے شائع کیے جن کی تدوین بھی ڈاکٹر محمد نوید نے کی۔ ان میں اُردو سٹیج ڈرامے حیش، اشرف المخلوقات، ڈارک روم، پھندے، ایک معزز شہری کی رسم جنازہ اور اُس گلی نہ جاویں کے علاوہ تین پنجابی سٹیج ڈرامے طوطا راما، توں کون اور پنجواں چراغ شامل ہیں۔

> "یہ کتاب گرمانی مرکز زبان و ادب لمز کے سلسلہ مطبوعات کے تحت شائع کی جا رہی ہے۔ اس اشاعتی منصوبے میں ادب کی ایسی جہتوں / شعبوں سے متعلق اہم تخلیقات شائع جاتی ہیں جنھیں عام طور پر شایان شان اہمیت نہیں دی جاتی۔"[10]

سٹیج ڈراموں کی تدوین کے لیے کی جانے والی ان چند کاوشوں کے علاوہ کوئی اور کاوش دکھائی نہیں پڑتی البتہ اپنے تئیں ڈراموں کی اشاعت کا سلسلہ چلتا رہا لیکن اب وہ بھی جمود کا شکار ہو چکا ہے۔

مذکورہ معاملات کے پیش نظر اس موضوع سے متعلق مزید ایک خاکہ تیار کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور خیال کیا جو موجود ہے نا صرف اسے محفوظ کرنے کی جانب توجہ مبذول کروائی جائے بلکہ پاکستان کے تمام صوبائی دارالخلافہ جہاں تھئیٹر کیا جاتا رہا ہے یا ہو رہا ہے وہاں کی آرٹ کونسلز، نجی یا سرکاری تعلیمی اداروں کی سطح پر پیش کیے گئے مجموعی طور پر ۱۰ سے ۱۵ معیاری طبع زاد نمائندہ سٹیج ڈراموں کی تدوین و تجزیہ کی کوشش کی جائے۔ اس منصوبے کے تحت ایسے معروف اور غیر معروف ڈراما نگار جن کے سٹیج ڈرامے اپنے موضوعات کے نئے پن، سٹیج کے فنی و تکنیکی تجربات میں انفرادیت رکھنے کے باوجود شائع نہیں ہوئے انہیں منظر عام پر لایا جائے تاکہ سٹیج ڈرامے سے دلچسپی رکھنے والے طلبا اور افراد میں سٹیج ڈراما کی افادیت اور معنویت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ اداروں اور ڈراما نگاروں کو بہترین سٹیج ڈراموں کی اشاعت کے لیے ترغیب دی جا سکے جو تاحال شائع نہیں ہوئے۔ یہ تحقیقی و تدوینی کام وقت کے ساتھ ساتھ مالی وسائل کی دستیابی کا بھی تقاضا کرتا تھا، ایسے میں ایچ ای سی کی جانب سے جاری کردہ پروگرام NRPU کے تحت اس منصوبے کا خاکہ جمع کرایا اور اس کی منظوری کے بعد لاہور، اسلام آباد، راولپنڈی، کوئٹہ، کراچی اور پشاور میں پیش کیے گئے سٹیج ڈراموں کی یکجائی، تدوین اور تجزیے کا کام شروع کیا گیا۔ اس حوالے سے الحمراء آرٹس کونسل لاہور، پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اسلام آباد، راولپنڈی آرٹس کونسل، اباسین آرٹس کونسل پشاور، NAPA نیشنل اکیڈمی آف پرفامنگ آرٹ کراچی، کراچی آرٹ کونسل اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر بھی نمائندہ ڈراما نگاروں سے رابطہ کر کے اُن سے اصل مسودات حاصل کرنے کے لیے کوشش کی گئی۔ ان دستیاب مسودوں میں درج ذیل چار طرز کے مسودے شامل تھے:

اول: خطی مسودے

دوم: کاتب کے تحریر کردہ مسودے

سوم: ٹائپ شدہ مسودے

چہارم: کمپوز شدہ مسودے

الحمراء آرٹس کونسل سے دستیاب ہونے والے سکرپٹس خطی، کاتب کے تحریر کردہ یا ٹائپ شدہ ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر ۱۹۶۵ء سے ۱۹۸۵ء تک کے سٹیج ڈراموں کے سکرپٹس شامل ہیں اور اُس وقت دخطی، کاتب کا تحریر کردہ یا پھر ٹائپ مسودہ ہی جمع کرایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس، کراچی آرٹس کونسل اور کچھ ڈراما نگاروں کے توسط سے بھی خطی، ٹائپ شدہ یا کمپوز مسودے دستیاب ہوئے۔

لاہور سے دستیاب شدہ سٹیج ڈراموں میں سلیم چشتی، ایم شریف، خالد عباس ڈار، ڈاکٹر انور سجاد، اطہر شاہ خان، سرمد صہبائی، ثروت عتیق، شاہد ندیم، عتیق اللہ شیخ، جمیل بسمل، عرفان کھوسٹ، غیور اختر، افتخار حیدر، صوفی نثار احمد، عثمان پیرزادہ، شوکت زین العابدین، افضال نبی اور سمیر احمد شامل ہیں۔ راولپنڈی آرٹس کونسل کے ریکارڈ روم میں کسی ڈرامے کا سکرپٹ موجود نہیں اس سلسلے میں انہوں نے پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس سے رجوع کرنے کا کہا۔ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس ایک فعال ادارہ ہے جو ہر سال پاکستان بھر سے مختلف سرکاری تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ نجی سطح پر تھئیٹر کرنے والوں کی

پذیرائی کرتا ہے اور یہاں سٹیج ڈراموں کا انعقاد بھی کرواتا ہے، اُن کے ذخیرہ اسکرپٹس سے گلگت بلتستان، کشمیر، کوئٹہ اور ایبٹ آباد کے کچھ ڈرامانگاروں کے سکرپٹس دستیاب ہوئے جن میں کوئٹہ کے ڈرامانگار اے ڈی بلوچ کے ڈرامے بھی قابل ذکر تھے اس کے علاوہ ان ڈرامانگاروں میں غلام عباس[11]، ڈاکٹر اسلم مغل، غلام حسن حسنی، عمران ملک، محمد خاور، سہیل بخاری، ناصر ولیم[12] ڈاکٹر خالد سیف اللہ، ارشد چہال، خالد سعید بٹ، عمران اسلم، بلال آصف اور ولیم پرویز شامل تھے۔ کراچی آرٹس کونسل سے علی احمد، شعیب ہاشمی، علی احمد، منظر امام، یاسرہ رضوی، انور مقصود، بی گل، غلام حسن حسنی، ابوالفضل صدیقی، سہیل احمد ملک اور سہیل بخاری جبکہ NAPA سے کوئی سکرپٹ فراہم کرنے کے سلسلے میں خاطر خواہ تعاون نہیں کیا حالانکہ ادارے کی لائبریری میں یہاں کے طلبا کے تحریر کردہ بہترین سٹیج ڈرامے موجود ہیں۔

اباسین آرٹس کونسل پشاور جا کر سب سے زیادہ مایوسی ہوئی، اس ادارے میں کسی طرز پر سٹیج ڈرامے کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں، ادارے کو سیاسی رسہ کشی نے بے انتہا نقصان پہنچایا۔ بحثیت مجموعی الحمراء آرٹس کونسل، پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اور کراچی آرٹس کونسل ان تینوں اداروں نے اپنے تیئں ہر ممکن تعاون کیا جس کی بدولت یہاں پیش کردہ طبع زاد اردو سٹیج ڈراموں کے مسودوں تک کسی حد تک خاطر خواہ رسائی ہو سکی۔ البتہ NAPA، اباسین آرٹس کونسل اور راولپنڈی آرٹس کونسل سے سائل خالی ہاتھ لوٹا، اس سلسلے میں راولپنڈی اور خصوصاً پشاور میں انفرادی طور پر ملاقاتیں کر کے سکرپٹس حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جن ڈرامانگاروں سے انفرادی اور ذاتی حیثیت سے مسودے دستیاب ہوسکے ان میں لاہور سے افضال نبی، حسن ملک اور سمیر احمد جبکہ اسلام آباد سے احمد حبیب، ڈاکٹر وقار عظیم[13]، ڈاکٹر خالد سیف اللہ، ولیم پرویز، پشاور سے عشرت عباس اور عزیز اعجاز جبکہ کراچی سے دمینتی گوسائی اور منظر امام کے نام قابل ذکر ہیں۔ احمد حبیب اور ولیم پرویز کے کچھ سکرپٹس نیشنل کونسل آف دی آرٹس میں بھی موجود ہیں لیکن ان سے رابطے پر انہوں نے اپنے دوسرے سٹیج ڈرامے بھی آسانی سے فراہم کر دیئے۔ ان کے علاوہ کتب کی صورت میں شائع شدہ ایسے معیاری سٹیج ڈراموں کو بھی مد نظر رکھا جو ایک ہی بار شائع ہوئے اور اب دست برد زمانہ کے ہاتھوں ناپید ہونے کے قریب ہیں۔

دستیاب شدہ ۱۲۵ سٹیج ڈراموں میں سے جن ۱۲ ڈراموں کی تدوین و تجزیہ کیا گیا اُن میں لاہور سے ڈاکٹر انور سجاد کا ڈراما "فاصلے"، اصغر ندیم سید کا سٹیج ڈراما "بھولا سچ بولا" اور ڈاکٹر سمیر احمد کا سٹیج ڈراما "شیر میسور" جبکہ اسلام آباد سے احمد حبیب کا سٹیج ڈراما "وفا کے پتلے"، ولیم پرویز کا "زندہ پاکستان"، "، ڈاکٹر خالد سیف اللہ کا "رانگ نمبر، ڈاکٹر وقار عظیم کا "کہانی سانس لیتی ہے"، پشاور سے عزیز اعجاز کا ڈراما "پیالی میں طوفان" کوئٹہ سے اے ڈی بلوچ کا ڈراما "مست توکلی"، کراچی سے "، دمینتی گوسائی کا "پرسانا نان گراتا" شامل ہیں اس کے علاوہ طبع شدہ ڈراموں میں آغا بابر کا "فالتو چیزیں" اور علی احمد کا سٹیج ڈراما "قصہ جاگتے سوتے کا" شامل ہیں۔ طبع شدہ ڈرامے کے علاوہ "قصہ جاگتے سوتے "کا خطی مسودہ بھی کراچی آرٹس کونسل سے دستیاب ہوا جس کی وجہ سے شائع شدہ ڈراما کی کئی اغلاط کی درستی ممکن ہوئی جس کا تذکرہ اگلے صفحات میں ہو گا۔ یہ ڈراما کراچی اور لاہور کے علاوہ بیرون ملک بھی سٹیج کیا گیا، علی احمد کراچی ہی میں مقیم رہے اور سب سے پہلے یہ سٹیج ڈراما کراچی ہی میں پیش کیا گیا، اس کے علاوہ "آغا بابر کا سٹیج ڈراما جو کہ ڈاکٹر محمد حسن کے مرتب کردہ ڈراموں کے مجموعے "نئے ڈرامے" میں شامل ہے وہ بھی اس پراجیکٹ کے ۱۲ ڈراموں میں شامل

ہے یہ ڈراما پہلی مرتبہ کاسموپولیٹن کلب راولپنڈی یا پھر ریلوے آڈیٹوریم راولپنڈی میں پیش کیا گیا۔[14] آغا بابر راولپنڈی میں مقیم رہے اور وہاں لٹل تھئیٹر گروپ کی بنیاد رکھی اور راولپنڈی میں تقسیم کے بعد باقاعدہ طور پر ۱۹۵۲ء میں سٹیج ڈرامے پیش کرنا شروع کیے۔ آغا بابر خود لکھتے ہیں:

"آزادی کے بعد دہلی سے جنرل ہیڈ کوارٹرز کے دفاتر منتقل ہو کر راولپنڈی آ گئے۔ وہاں اس ہیڈ کوارٹر کی اپنی ایک ڈرامہ کلب ہوتی تھی جو شملہ اور دہلی میں ڈرامے سٹیج کیا کرتی تھی۔ یہ لوگ آتے ہی اپنے سرکاری کاموں میں بری طرح مصروف رہے، شب و روز کام ہوتا تھا۔ ڈرامے کی کسے سوجھتی تھی اسی طرح چار سال گزر گئے۔ ڈرامے کے شوقین لوگوں کی یہ خواہش اندر ہی اندر پلتی رہی۔ آخر ۱۹۹۲ء میں یہ لوگ ایک دن اکٹھے ہوئے تا کہ جی ایچ کیو ڈرامیٹک کلب کو از سر نو زندہ کیا جائے۔۔
۔۔۔اس کلب کو چلانے کے اختیارات راقم الحروف کو سونپ دیئے گئے جس نے دونوں سکولوں کے بین بین راستہ نکالا کچھ اس طرح کہ تھئیٹر کا روائتی انداز بھی کسی حد تک قائم رہے اور تھئیٹر کے جدید رجحانات کا بھی عمل دخل رہے۔"[15]

آغا بابر کا یہ مقالہ ۱۹۶۱ء میں مردان سے شائع ہوا، اس میں آغا بابر نے راولپنڈی میں اپنے سٹیج کردہ ڈراموں کا ذکر بھی کیا ہے لیکن اس میں ڈراما " فالتو چیزیں "کا ذکر نہیں۔ علی احمد کے ڈراموں کا مجموعہ " قصہ جاگتے سوتے کا " اور ڈاکٹر محمد حسن کے مرتب ڈراموں کا مجموعہ " نئے ڈرامے "اپنی کتابی حالت میں نایاب ہیں اور اگر کسی لائبریری میں موجود بھی ہیں تو پرانی جلدوں کے باعث خستہ ہو چکے ہیں انہیں محفوظ کرنے کے لیے لائبریری انتظامیہ نے کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کیا مزید یہ کہ ان ڈراموں کا دوسرا ایڈیشن آج تک شائع نہیں ہوا جس سے ان کے ناپید ہونے کے امکانات مزید بڑھ گئے ہیں، ان تحفظات کے پیش نظر ان مجموعوں میں شامل دو نمائندہ ڈراموں کو جن میں فنی و موضوعاتی جدت موجود تھی، شامل کیا ہے۔ ان ۱۲ سٹیج ڈراموں کے تدوین کے سلسلے میں زمانی ترتیب کو ہی ملحوظ رکھا ہے۔ اس تحقیق کے دوران تقریباً ۱۲۵ سکرپٹس یکجا کرنے میں کامیابی ہوئی۔ زیادہ تر اُن مسودوں کی نقل حاصل کرنے کی کوشش کی جن سے متعلق معلوم یا گمان تھا یا پھر اُن کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کا موازنہ کرنے کے بعد ہی ان کی تدوین کے لیے حتمی انتخاب کیا جائے۔ مطالعہ کے بعد جو مسودے انتہائی کمزور غیر معیاری محسوس ہوئے انہیں ۱۲۵ مسودوں میں شامل ہی نہیں کیا البتہ جن ۱۲۵ مسودوں کو اس پراجیکٹ کے لیے چنا گیا اُن مسودوں کو Digitalize کر لیا ہے تا کہ یہ محفوظ رہیں اور یہ سکرپٹس اُن اداروں یا انفرادی طور پر جن ڈراما نگاروں سے حاصل کیے گئے ہیں انہیں ارسال کئے جائیں گے تا کہ محفوظ رہ سکیں۔

۱۹۴۷ء سے تاحال تحریر کردہ طبع زاد سٹیج ڈراموں کی تلاش کے دوران سب سے زیادہ سٹیج ڈرامے لاہور سے دستیاب ہوئے۔ جن ڈراموں کی تدوین کی گئی اُن ڈراما نگاروں سے تدوین کی اجازت طلب کی اور اگر وہ وفات پا چکے ہیں تو اُن کے اعزہ و اقارب سے اخلاقی طور پر اس سلسلے میں اجازت حاصل کی۔ اجازت ملنے کے بعد ہی انہیں اس پراجیکٹ کا حصہ بنایا گیا جبکہ شائع

شدہ دو ڈرامے جو اس پراجیکٹ کے ۱۲ ڈراموں میں شامل ہیں اُن کے لیے اس وجہ سے اجازت حاصل نہیں کی کیونکہ کاپی رائٹ ایکٹ کے مطابق اُن دونوں ڈراموں کو شائع ہوئے ۵۰ سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔کچھ نمائندہ ڈرامانگار وہ ہیں جن کے سٹیج ڈرامے شائع ہو چکے ہیں ان میں علی احمد، میرزا ادیب، امتیاز علی تاج، عشرت رحمانی، منٹو، کمال احمد رضوی، خواجہ معین الدین، بانو قدسیہ، اصغر بٹ، سرمد صہبائی، منیر راج اور شاہد ندیم کے نام قابل ذکر ہیں جبکہ کچھ ڈرامانگاروں کے سٹیج ڈرامے مجلہ نقوش، ادب لطیف اور ماہ نو میں بھی شائع ہوتے رہے۔ البتہ اطہر شاہ خان، ڈاکٹر انور سجاد، سلیم چشتی، ایم شریف، جمیل بسمل، صوفی نثار احمد، شوکت زین العابدین، افتخار حیدر، ارشد چہال، خالد سعید بٹ، عتیق اللہ شیخ، عمران ملک، منظر امام، بی گل، افتخار حیدر، عزیز اعجاز، ثروت عتیق، احمد حبیب، ڈاکٹر سیف اللہ، منظر امام، دمنتی گوسائی، سرمد کھوسٹ اور ولیم پرویز کے جتنے سٹیج ڈرامے دستیاب ہوئے وہ غیر طبع شدہ تھے۔

لاہور سے سٹیج کیے گئے ۱۹۵۶ء سے ۱۹۹۰ء تک تحریر کردہ زیادہ تر سٹیج ڈرامے عموماً باعتبار موضوع یکسانیت کا شکار رہے ۔ان میں اطہر شاہ خان، ایم شریف، عتیق اللہ شیخ، افتخار احمد، خالد عباس ڈار، عرفان کھوسٹ، اور ثروت عتیق وغیرہ شامل ہیں۔ ان ڈرامانگاروں کے ہاں کسی غیر معمولی اور نمائندہ سماجی حقیقتوں کی جانب اشارہ نہیں ملتا نہ ہی ان میں تھئیٹر کی کسی میکانکی و تکنیکی تجربے کی گونج سنائی دیتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی خدمات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ان سٹیج ڈراموں کی اپنی ایک الگ قومی شناخت اور حیثیت ہے جس پر علیحدہ سے کام کی گنجائش موجود ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سٹیج کے ڈرامانگاروں میں سلیم چشتی کا نام نمایاں حیثیت کا حامل ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ ڈراموں پر تدوین سے پہلے ان ڈرامانگاروں سے اجازت طلب کی گئی اور اگر یہ ڈرامانگار وفات پا چکے ہیں تو جن کے پاس ان ڈراموں کے جملہ حقوق محفوظ ہیں اُن سے رابطہ کر کے اجازت لی گئی۔ سر دست یہاں یہ تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے سلیم چشتی کا ایک ڈراما اس پراجیکٹ میں شامل کیا کیونکہ سلیم چشتی وفات پا چکے ہیں اس لیے تلاش بسیار کے بعد اُن کے اکلوتے صاحب زادے سہیل چشتی سے رابطہ کیا۔ جب اُن سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بے روزگار ہیں اور انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ سلیم چشتی کے تحریر کردہ ڈراموں کے سکرپٹس مجھے الحمراء آرٹس کونسل سے دستیاب ہوئے لیکن اس کے باوجود اُن کے بیٹے سے اجازت لینا اخلاقی ذمہ داری اور فرض سمجھا۔ انہوں نے مجھے کام کرنے کی اجازت تو دی لیکن دبے لفظوں میں اپنی مالی مشکلات کا ذکر بھی کیا اور درخواست کی کہ اس مد میں اگر کاپی رائٹ کے تحت کچھ مالی اعانت ہو جائے تو بہتر ہو گا۔ معمولی رقم سے اُن کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی تھی اور مجبوری کے تحت ایک فن کار کے فن پارے سے دغا کرنا فن کار کو گالی دینے کے مترادف ہے اس لیے انہیں صرف تسلی ہی دے سکا اور وعدہ کیا کہ اگر موقع ملا تو سلیم چشتی کے ڈراموں پر علیحدہ سے انفرادی تحقیقی و تنقیدی نوعیت کا کام کروانے یا کرنے کی کوشش کروں گا اور ایسی صورت میں کوشش ہو گی کہ ایک معقول رقم کا باقاعدہ معاہدہ طے کیا جائے تاکہ ایک فن کار کے فن وہنر کے ساتھ ساتھ اُس کے اہل و اعیال سے بھی کسی حد تک انصاف تو ہو سکے۔ ان کے علاوہ صوفی نثار احمد کے ڈراموں کے حقوق اُن کی بیٹی اور داماد کے پاس ہیں یہ دونوں صوفی غلام مصطفی ٹرسٹ کے بانی بھی ہیں صوفی نثار احمد کے ڈرامے بھی اپنی نوعیت میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں

ان ڈراموں کی تدوین و تجزیے کی اجازت بھی نہیں مل سکی۔ شوکت زین العابدین کے تقریباً تمام سٹیج ڈرامے ترجمہ شدہ ہیں اور ان کے ڈرامے تقریباً اشاعت کے آخری مراحل میں ہیں۔

مذکورہ ایچ ای سی کے منصوبے کے تحت درج ذیل چنیدہ سٹیج ڈراموں کی تدوین عمل میں لائی گئی۔ منصوبے میں شامل ڈراموں کی زمانی ترتیب یوں ہے:

۱۔	مئی ۱۹۶۵ء	قصہ جاگتے سوتے کا	علی احمد	کراچی
۲۔	سن نامعلوم	فاصلے	ڈاکٹر انور سجاد	لاہور
۳۔	۱۹۵۵-۶۵ء **(قیاسی)**	فالتو چیزیں	آغا بابر	راولپنڈی / اسلام آباد
۴۔	جنوری ۱۹۹۵ء	بھولا سچ بولا	اصغر ندیم سید	لاہور
۵۔	۱۹۹۱ء	زندہ پاکستان	ولیم پرویز	راولپنڈی / اسلام آباد
۶۔	۲۰۰۲ء	وفا کے پتلے	احمد حبیب	راولپنڈی / اسلام آباد
۷۔	مئی ۲۰۱۱ء	رانگ نمبر	ڈاکٹر خالد سیف اللہ	راولپنڈی / اسلام آباد
۸۔	۲۰۱۱ء	پیالی میں طوفان	عزیز اعجاز	پشاور
۹۔	اپریل ۲۰۱۵ء	شیر میسور	سمیر احمد	لاہور
۱۰۔	۲۰۱۷	پر سانانان گراٹا	دمنتی گوسائی	کراچی
۱۱۔	۲۰۲۱ء	مست توکلی	اے ڈی بلوچ	کوئٹہ
۱۲۔	اگست ۲۰۲۲ء	کہانی سانس لیتی ہے	ڈاکٹر وقار عظیم	راولپنڈی / اسلام آباد

درج بالا ۱۲ طبع زاد سٹیج ڈراموں کے مصنفین کا تعارف، ڈرامے سے متعلق معلومات اور تجزیہ بھی اس منصوبے کا حصہ ہے۔ اس منصوبے کے تحت چنے گئے تمام سٹیج ڈراموں کی ترتیب اُن ڈراموں کو اسٹیج کیے جانے کے سنہ کو سامنے رکھتے ہوئے زمانی اعتبار رکھی گئی ہے۔ ہر ڈرامے سے قبل ڈراما نگار کا تعارف، اُن کے تحریر کردہ دیگر ڈراموں سے متعلق معلومات، ڈرامے کا پلاٹ یا مرکزی خیال، تجزیہ، پھر اُس ڈرامے کے متن اور تدوین سے متعلق معلومات اور آخر میں ڈرامے کے اصل متن کو مع حواشی درج کیا گیا ہے۔ ڈراما نگار کے تعارف سے تدوین متن سے متعلق تمام معلومات تک جو کچھ بھی احاطہ تحریر میں لایا گیا اُس کے لیے حوالہ جات کو آخر میں تحریر کیا گیا ہے جبکہ اصل مسودے کے مطابق ڈرامے کی تدوین کے دوران ڈرامے سے متعلق تمام معلومات حواشی میں پاورقی طریقے سے درج کی ہیں تاکہ متن سے متعلق مسائل اور درستی و اصلاح سامنے رہے اور قاری کو بارہا ورق الٹنے کی زحمت نہ کرنا پڑے۔ ذیل میں ان تدوین کردہ طبع زاد سٹیج ڈراموں کا مختصر جائزہ پیش کرتا چلوں جس میں ڈراما نگار کا تعارف اور متعلقہ ڈرامے کے تدوین سے متعلق مسائل اور متعلقات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

علی احمد کانپور میں ۲ فروری ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور آگرہ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی پھر انڈین پیپلز تھیئٹر ایسوسی ایشن سے منسلک ہوگئے اور موسیقی، رقص، اداکاری اور تھیئٹر کی ترویج کے لئے قابل قدر

خدمات انجام دیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور سکونت اختیار کی اور وہاں تھیئٹر آرٹس سینٹر کے نام سے تھیئٹر آرٹ گروپ قائم کر کے متعدد سٹیج ڈرامے بھی پیش کئے۔ ۱۹۵۷ء میں وہ کراچی آ گئے اور یہاں سکونت اختیار کر لی۔ کراچی میں پہلے ایوانت گارڈی آرٹ تھیئٹر اور پھر نیشنل اکیڈمی فار تھیئٹر اینڈ آرٹس (ناٹک) کی بنیاد ڈالی۔ ان کے تحریر کردہ ڈراموں میں ذاتِ شریف، صبح ہونے تک، آدھی روٹی ایک لنگوٹی، شیشے کے آدمی، شامت اعمال، قصہ جاگتے سوتے کا،سونے کی دیواریں، روشنی، کاغذی شیر، نیا بخار اور خوابوں کی کرچیاں شامل ہیں۔۱۲ اگست ۱۹۹۶ء کو کراچی میں ایک ناگہانی حادثے میں وفات پاگئے ۔[16]یہاں ایک مغالطے کی درستی کرتا چلوں کہ احمد علی اور علی احمد دو الگ الگ شخصیات ہیں۔ احمد علی معروف ناول نویس، ترجمہ نگار اور نقاد تھے۔اسکے علاوہ ترقی پسندادب کےحامی ۔جبکہ علی احمد پاکستان کے غیر معروف ، منجھے ہوئے سٹیج اداکار، ہدایت کار اور ڈراما نویس تھے۔ڈرامے کی تدوین کے حوالے سے کچھ مسائل درپیش تھے لیکن سفر کی صعوبت نے انہیں حل کر دیا۔

۲۰ برس قبل الحمراء آرٹس کونسل کی لائبریری سے میرے ہاتھ علی احمد کے ڈراموں کا مجموعہ "قصہ جاگتے سوتے کا" لگا۔ اس مجموعے میں مذکورہ ڈراموں کے علاوہ تین اور ڈرامے بھی شامل تھے۔ یہ کھیل پیش کرنے کی غرض سے اس کی فوٹو کاپی کروائی لیکن بوجوہ یہ کھیل سٹیج نہ ہو سکا اور ستم ظریفی یہ کہ اس ڈرامے کی نقل بھی میرے پاس محفوظ نہ رہی۔ بیس برس قبل علی احمد کے ڈراموں کا یہ مجموعہ تقریباً لاہور کی تمام لائبریریوں میں موجود تھا، لیکن اب کم و بیش کئی لائبریریوں سے غائب ہے۔ تلاش بسیار کے بعد پنجاب پبلک لائبریری سے اس کا ایک خستہ حال مسودہ حاصل ہو گیا۔ڈراموں کا یہ مجموعہ ۱۹۹۰ میں فضلی سنز سے شائع ہوا۔ علی احمد کے کھیلوں کے اس مجموعے کی دستیابی کے بعد دوران تحقیق مصنف کا خطی نسخہ اکتوبر ۲۰۲۱ء میں کراچی آرٹس کونسل سے دستیاب ہوا۔ کھیل کے آخر میں مصنف کے دستخط اور تاریخ تحریر اول: اپریل مئی ۱۹۶۵ء اور نظر ثانی اگست ۱۹۸۳ء تحریر ہے۔ جہاں تک طبع شدہ مسودے کا تعلق ہے تو کتاب کی چھپائی اور چھپائی میں استعمال شدہ سیاہی معیاری نہیں جو کتاب میں کُچھ جگہوں سے کھرچ چکی ہے اس لئے کئی جگہوں پر تحریر نا قابل فہم ہے۔اس لئے جہاں جہاں تحریر نا قابل فہم تھی وہاں خطی نسخہ سے استفادہ کیا ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں تمام تر قصور چھاپہ خانے یا پبلشر کا ہی نہیں بلکہ لائبریری انتظامیہ کا بھی ہے کہ ایسی کُتب کی حفاظت کے لئے کوئی لائحہ عمل ترتیب نہیں دیا گیا اور نہ ہی ایسی کتب کی مائکروفلمیں تیار کرنے کی طرف کوئی توجہ صرف کی گئی۔ بہر حال علی احمد کے دستیاب اور شائع شدہ طبع زاد کھیلوں میں کھیل "قصہ جاگتے سوتے کا" اہمیت کا حامل ہے جو ہمارے ملکی، معاشی، اجتماعی، انفرادی، علاقائی غرضیکہ تمام مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر انور سجاد

۲۷ مئی ۱۹۳۵ء لاہور میں پیدا ہوئے۔[17] انور سجاد نے گورنمنٹ کالج لاہور اور ایف سی کالج سے تعلیم حاصل کی ، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے MBBS اور لیورپول یونیورسٹی سے ڈی ٹی اینڈ ایچ کی ڈگری حاصل کی۔ بیرون ملک مختلف ڈراما اکیڈیمیز سے غیر رسمی طور پر استفادہ کیا اور پاکستانی سیاست سے بھی وابستہ رہے۔ تھئیٹر کے لیے کئی کھیل تحریر کیے اور ہدایات بھی دیں۔ مختصر یہ کہ انور سجاد ایک منجھے ہوئے ہدایت کار، ڈراما نویس اور اداکار تھے۔ ۷۰ء کی دہائی میں برلن میں منعقد ہونے والے ثقافتی میلوں میں ڈرامہ اور موسیقی کے شعبہ میں پاکستان کی نمائندگی بھی کی۔[18] کراچی میں جیو ٹی وی اور نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ (NAPA) کے لیے بھی خدمات انجام دیں۔ حکومت پاکستان کی جانب سے پرائیڈ آف

پرفارمنس سے بھی نوازا گیا۔ ۶ جون ۲۰۱۹ کو لاہور ہی میں وفات پائی۔[19] تھئیٹر کے لئے تحریر کردہ ڈراموں میں "ایک تھی ملکہ "، "خطرہ جان"، "فاصلے"، "میری جان" اور "تربوز، دولت، اجنبی" شامل ہیں۔ کھیل "ایک تھی ملکہ "۱۹۸۱، اور "میری جان" ۱۹۸۶ میں الحمراء لاہور کے سٹیج پر پیش کیے گئے۔ "خطرہ جان" اور "فاصلے" یہ دونوں کھیل بھی لاہور میں پیش کیے گئے لیکن ان دونوں کھیلوں کی پیش کش کے سنین کسی مستند ذریعے سے دستیاب نہیں ہو سکے۔ جبکہ "تربوز، دولت، اجنبی" ڈراما تاحال سٹیج نہیں کیا جا سکا۔

۴۹ صفحات پر مشتمل ڈراما "فاصلے" کی نقل غیور اختر مرحوم کے بڑے بیٹے اُسامہ غیور کے ذاتی ذخیرہ کتب سے دستیاب ہوئی۔ کھیل "فاصلے" کے سرورق پر ڈاکٹر انور سجاد کا تحریر کردہ نام اُن کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہے۔ راقم کے پاس ڈراما "ایک تھی ملکہ "، "خطرہ جان"، "توبوز، دولت، اجنبی" کے مسودوں کی جو نقل موجود ہے وہ ڈاکٹر انور سجاد کی دست خطی ہے، جبکہ کھیل "فاصلے "کی نقل کسی کاتب کی تحریر کردہ ہے۔ اس ڈرامے کا دوسرا مسودہ الحمراء آرٹس کونس کی لائبریری سے دستیاب ہوا۔ یہ دونوں مسودے ایک ہی نقل ہیں۔ ان دونوں میں اُسامہ غیور کی جانب سے فراہم کردہ نقل قابل قرات ہے جبکہ الحمراء لائبریری سے دستیاب شدہ مسودے کی نقل بہت مدھم ہے۔ لہذا تدوین کے لیے پہلے دستیاب شدہ نسخہ کو ہی بنیاد بنایا ہے۔ مسودے میں کئی جگہوں پر مکالموں کو کاٹا گیا ہے کیونکہ نسخہ کی ایک ہی نقل دستیاب ہو سکی اور مصنف بھی حیات نہیں اور نہ ہی یہ مسودہ ان کے اہل خانہ کے پاس موجود ہے، لہذا جہاں جہاں مکالموں کو حذف کیا گیا تھا انہیں متن میں بعینہ درج کر دیا گیا ہے۔ مزید یہ کہ کچھ مقامات پر تذکیر و تانیث کی اغلاط تھی انہیں بھی جدید املاء کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے درست کر دیا گیا ہے۔

آغا بابر

"آغا بابر کا اصل نام سجاد حسین تھا لیکن ادبی دنیا میں آغا بابر کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ ۳۱ مارچ ۱۹۳۱ کو بٹالہ میں پیدا ہوئے۔"[20]

ابتداء ہی میں طبیعت ڈراما نگاری اور اداکاری کی جانب مائل تھی۔ افسانہ نگار و ڈراما نگار کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ اسلامیہ کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہوئے۔ دوران تعلیم افسانہ نگاری اور ڈراما نگاری کا شوق خوب پروان چڑھا۔ ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۵ء تک پنچولی آرٹ سٹوڈیو لاہور میں بطور مکالمہ نویس خدمات بھی انجام دیں۔[21] آپ نے کئی ریڈیائی اور سٹیج کے لیے ڈرامے تحریر کیے جو رسالہ ہمایوں، ادب لطیف، نقوش، ماہ نو، عالم گیر، سیپ اور ادبی دنیا میں شائع ہوئے۔ ان کے ڈراموں میں بابر بادشاہ کی موت، زیاں تھا نہ سود تھا، ٹوٹا ہوا دل، تقدیر امم، نقش رنگین، کوئی کپڑا کوئی اترن، گنج فروزان، فالتو چیزیں، روپیہ چلتا ہے، دل بہشت، جہانگیر کی موت، پیدائش کی ستم ظریفی، پیدائش کی ستم ظریفی، گوارا ہو نیش عشق، تصویر کے دوزخ، آخر شب عرف میرا جی کی موت اور قصہ لال کرتی کا شامل ہیں ان کے علاوہ "بڑا صاحب" ڈراما آئینہ ادب لاہور سے شائع ہوا۔ مجموعی طور پر ان کھیلوں میں آغا بابر کا کھیل "فالتو چیزیں" اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ڈراما راولپنڈی میں تو سٹیج نہیں کیا گیا البتہ کچھ شخصی شہادتوں سے اتنا معلوم ہو سکا کہ مذکورہ ڈراما لیاقت ہال میں سٹیج ڈراموں کی ابتداء سے پہلے کاسموپولیٹن کلب یا پھر ریلوے آڈیٹوریم میں پیش کیا گیا۔[22]

۲۴ صفحات پر مشتمل آغا بابر کا تحریر کردہ ڈراما "فالتو چیزیں" کل سات مناظر پر مشتمل ہے۔ سماجی مسائل اور معاشرتی بے حسی کے حوالے سے یہ مختصر مگر جامع نوعیت کا حامل ڈرامہ ہے۔ "فالتو چیزیں" نو کرداروں پر مشتمل سٹیج ڈرامہ ہے جن میں

ایڈمنسٹریٹر، اس کا مینجر، توفیق روف اور ہوٹل کا مینجر نمایاں ہیں۔ یہ ڈراما اول اول ماہ نو کی جلد ۷ شمارہ ۱۱، ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ مذکورہ رسالہ لاہور میں پنجاب پبلک لائبریری سے دستیاب ہوا جس کی حالت خستہ تھی۔ مزید یہ کہ یہ ڈراما ماہ نو میں اشاعت کے علاوہ ۱۹۶۰ میں ڈاکٹر محمد حسن کے ڈراموں کے انتخاب "نئے ڈرامے" کے عنوان انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شائع ہوا جس میں انہوں نے پاک و ہند کے ۱۲ نامور ڈراما نگاروں جن میں اصغر بٹ، انور عنایت اللہ، آغا بابر، اوپندر ناتھ اشک، پرکاش پنڈت، جاوید اقبال، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، کرشن چندر، میرزا ادیب، محمد حسن، ناصر شمسی شامل تھے اُن کے ۱۲ نمائندہ ڈرامے یکجا کیے۔ مرتب شدہ کتاب کی طبع اول ہی منظر عام پر آئی، پنجاب پبلک لائبریری اور دیال سنگھ کالج لائبریری میں اس کا خستہ حال مسودہ موجود ہے۔ تدوین کے سلسلے میں ڈاکٹر محمد حسن کی مرتب کردہ مجموعے ہی کو مد نظر رکھا ہے۔ ڈراما کی جانب عدم توجہی کے ایسے عالم میں قوی امکان ہے کہ اس مجموعے کا دوسرا ایڈیشن شائع ہونا تو درکنار شائع شدہ ایڈیشن بھی ناپید ہو جائے گا۔ ڈرامے کی تدوین کے حوالے سے دو اہم معاملات پیش نظر رہے۔ اول: کہ اس ڈرامے کو محفوظ کر لیا جائے۔ دوم: اس کی تدوین کر دی جائے کیونکہ موضوع کے اعتبار سے ڈراما اپنے اندر جدید حیثیت کا حامل ہے کہ اگر اسے دور حاضر میں بھی سٹیج کیا جائے تو حاضرین کی دلچسپی برقرار رہے گی کیونکہ آج کے تناظر میں "فالتو چیزیں" ہر شخص کے حوالے سے علامتی حیثیت کا حامل لگتا ہے۔ ڈرامے میں متعدد مقامات پر انگریزی جملے ملتے ہیں جنہیں اردو رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے۔ حواشی میں انہیں انگریزی زبان میں تحریر کر دیا ہے اور اس کے علاوہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کا املا آج متروک ہو چکا ہے لہذا انہیں بھی جدید اور دور حاضر کے املاء کو سامنے رکھتے ہوئے درست کر دیا ہے اور تفصیل حواشی میں درج کر دی ہے لیکن اصل متن میں ڈراما نگار کا تحریر کردہ لفظ ہی شامل رکھا ہے تا کہ مسودے کی اصل روح قائم رہے۔

اصغر ندیم سید

۱۴ جنوری ۱۹۵۰ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔[23] اصل نام اصغر شاہ ہے جبکہ ادبی حلقوں میں اصغر ندیم سید کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ معروف ڈراما نگار، نقاد اور کالم نویس ہیں۔ ان کی نمایاں پہچان ٹی وی ڈراما ہے۔ تاحال تھئیٹر کے لئے دو کھیل ہی تحریر کیے۔[24] پہلا کھیل ۱۹۹۴ء میں "بھولا سچ بولا" کے عنوان سے تحریر کیا۔ جبکہ دوسرا کھیل "سپاہی مقبول حسین" کے عنوان سے تحریر کیا۔ "بھولا سچ بولا" جنوری ۱۹۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے بخاری آڈیٹوریم اور ۱۹۹۶ میں گوئیتھے انسٹیٹیوٹ میں بھی پیش کیا گیا۔ بااعتبار موضوع "بھولا سچ بولا" ہمارے ملکی، علاقائی، سیاسی و سماجی تمام مسائل کا احاطہ کرتا ہے۔ کھیل طنز اور مزاح کے حسین پیرائے کے ساتھ ساتھ فکری بصیرت بھی رکھتا ہے۔ اصغر ندیم سید نے گورنمنٹ کالج لاہور کی Colonial Tradition سے انحراف کرتے ہوئے اُردو طبع زاد کھیلوں کی بنیاد کو مضبوط بنانے کے لیے کھیل میں شعبہ اُردو اور انگریزی کے طلبا کو بھرپور موقع فراہم کرنے کی کوشش کی تا کہ اُردو تھئیٹر سے متعلق عمومی بداعتمادی کی فضا کو بدلا جا سکے۔ کھیل کی ہدایات اصغر ندیم سید نے خود دیں۔ ریہرسل کے دوران ایک مرتبہ دوران گفتگو انہوں نے کہا:

> "میں اس ڈرامے کو ایک ورکشاپ کے طور پر دیکھتا ہوں جس میں زیادہ سے زیادہ طلبا شریک ہوں
> اور گورنمنٹ کالج لاہور میں اُردو تھئیٹر کے لیے سازگار فضا پیدا ہو سکے۔"[25]

۵۶ صفحات پر مشتمل اصغر ندیم سید کے تحریر کردہ ڈراما "بھولا سچ بولا" کی نقل الحمرا آرٹس کونسل سے حاصل کی گئی۔ڈراما دو ایکٹ پر مشتمل ہے جس میں ۳۵ مردانہ، ۴ زنانہ اور ۳ ہیجڑوں کے کرداروں کو ملا کر کل ۴۳ کردار ہیں۔ کھیل دراصل مختلف خاکوں کو ترتیب دے کر لکھا گیا تھا اس لئے مکمل سکرپٹ صرف دو اہم کردار "دربان نمبر ا" اور "دربان نمبر ۲" کو ہی دیا گیا بقیہ کرداروں کو صرف اُن کے کردار پر مشتمل سکرپٹس کے صفحات ہی فراہم کئے گیے۔ اس کے علاوہ مکمل سکرپٹ اصغر ندیم سید کے پاس تھا۔ راقم نے اصغر ندیم سید سے اصل مسودہ حاصل کرنے کو شش کی لیکن اسے بدقسمتی کہیے کہ اصغر ندیم سید کے بقول متعدد بار گھر کی شفٹنگ کے دوران اُن سے یہ سکرپٹ کھو گیا۔ بہر حال تلاش بسیار کے بعد الحمرا آرٹس کونسل کی آرکائیو سے یہ سکرپٹ ملا تو لیکن خستہ حالت میں۔ اس کی کچھ ممکنہ وجوہات ہو سکتی ہیں:

اول: جب اصل سکرپٹ سے فوٹو کاپی کروائی گئی تو اس میں صفحات کی مکمل اور واضح نقل کو نظر انداز کیا گیا۔ ایسا طرز عمل عموما ڈرامے کے پروڈیوسر یا پھر پروڈکشن انچارج کا ہو سکتا ہے کہ جنھوں نے کاسٹ کے لیے اصل کی سستی نقل (فوٹو کاپی) کروائی۔

دوم: یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فوٹو کاپی کسی پہلے سے ناقص نقل شدہ (فوٹو کاپی) سے مزید یعنی نقل در نقل کروائی ہو جس کی وجہ سے اس کا عکس مزید مدھم اور ناقابل مطالعہ ہو گیا، کئی مقامات پر صفحات کے اول و آخر تو کیا وسط سے بھی تحریر پڑھنا حد درجہ دشوار ہے۔

سوم: الحمرا لائبریری کی انتظامیہ نے سکرپٹ کی معیاری نقل کی فراہمی پر اصرار نہیں کیا ہو گا۔

چہارم: الحمرا انتظامیہ نے اسے Ring Binding کر دیا جس سے کئی صفحات پر کرداروں کے نام Punching کی نظر ہو گئے۔ کھیل میں ہیجڑوں کے چار کردار ہیں، مادھوری، جوہی، چکوری اور ناگن، ان کے بیشتر مکالموں کے سامنے کرداروں کے نام حذف ہو چکے ہیں۔ ان فنکاروں سے تفصیلی بات چیت اور سکرپٹ کے بغور مطالعہ کے بعد ہی ان مکالموں کے کرداروں کے نام تحریر کیے گئے۔

پنجم: جب الحمرا لائبریری کے عملے نے اسے Scanning کے عمل سے گزارا تو کسی تجربہ کار شخص کی خدمات حاصل نہیں کی گئی اور یوں صحت متن برقرار نہ رہ سکی اور ایسے میں تدوین متن کے مسائل میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ایک ہی نسخے تک رسائی کی بدولت قیاسی تصحیح ہی ممکن تھی۔ متن میں جہاں کہیں قیاسی تصحیح کا سہارا لیا گیا ہے اُس کا ذکر پاورقی یعنی Footnote میں کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں منشائے مصنف تک پہنچنے کے لیے کھیل میں شامل فنکاروں کی تلاش شروع کی جو اس کھیل کا عملی حصہ تھے۔ اس سلسلے میں اُن طلبا اداکاروں سے رابطہ کے لئے وٹس ایپ، گوگل میٹ اور ای میل جیسی آسانیوں کا سہارا لیا۔ اس عمل سے درست متن تک رسائی میں حد درجہ معاونت ملی۔ نیز متن میں جہاں الفاظ پڑھنا دشوار تھا وہاں سکین کاپی کا سائز بڑھا کر مختلف زاویوں سے بغور پڑھنے کے بعد مکالموں کو صحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ متن میں جہاں کہیں کیفیات یا ہدایات درج ہیں انہیں قارئین کی سہولت کے لیے Bold کر دیا ہے۔ مسودے کی تدوین کے بعد اس نسخے پر مصنف نے نظر ثانی بھی کی اور اس حوالے سے جہاں جہاں ترامیم، درستی یا اضافے درکار تھے اُس حوالے سے بھی معاونت کی۔ قیاسی تصحیح اور بعد ازاں ڈراما نگار کی نظر ثانی کے بعد اس متن کو اساسی کہا جاسکتا ہے۔

ولیم پرویز ولد عنایت مسیح ۱۱ مارچ ۱۹۶۱ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۸ء میں تھئیٹر کے لیے کھیل تحریر کرنے کا آغاز کیا۔ مختلف نجی تنظیموں (NGO's) سے وابستہ رہے اور انہی کے تعاون اور تحریک سے سٹیج کے لیے کھیل بھی تحریر کیے۔ تاحال اپنے فراہم کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق Street Theatre کے لیے ۳۵ جبکہ باقاعدہ تھئیٹر کے لیے ۲۵ کھیل تحریر کر چکے ہیں جنہیں پاکستان کے مختلف شہروں میں نجی سطح پر کامیابی سے پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ تقریباً ۹ قومی تھئیٹر میلوں کے انعقاد میں بھی فعال کردار ادا کیا۔ لمحہ موجودہ میں اسلام آباد میں مقیم ہیں۔[26]

ڈراما "زندہ پاکستان" بعنوان "سانجھیاں لاشاں" ۱۹۹۱ء میں اسلام آباد جبکہ "زندہ پاکستان" کے عنوان سے بالترتیب ۱۹۹۶ء میں لیاقت ہال راولپنڈی ۲۰۱۵ء میں پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس، اسلام آباد اور ۲۰۱۶ء میں راولپنڈی آرٹس کونسل میں پیش کیا جا چکا ہے۔ عنوان "سانجھیاں لاشاں" میں جو کشش موجود ہے وہ کھیل کے لیے قاری یا ناظر کی انتہائی توجہ حاصل کرتی ہے۔ ڈراما Bilingual یعنی دو زبانوں، پنجابی اور اُردو میں تحریر کیا گیا ہے، ڈراما کا زیادہ تر حصہ اُردو زبان میں تحریر کردہ ہے۔

۲۷ صفحات پر مشتمل "زندہ پاکستان" کا سکرپٹ ان پیج کمپوز طرز پر ہے جسے مصنف نے بذات خود راقم کو بذریعہ ای میل بھجوایا۔ اول سکرپٹ مجھے پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اسلام آباد کی لائبریری سے دستیاب ہوا۔ لیکن بعد ازاں راقم نے ولیم پرویز سے اسلام آباد ملاقات میں اُن سے درخواست کی کہ وہ یہ سکرپٹ مجھے ای میل بھی کر دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے شفقت کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے سکرپٹ ان پیج فائل میں بھجوا دیا جسے میں نے ایم ایس ورڈ کی فائل میں تبدیل کیا اور جہاں جہاں پروگرام تبدیل ہونے کی وجہ سے Font یا املا کے مسائل تھے انہیں بھی از سر نو درست کر دیا۔ تدوین متن کے دوران ڈراما نگار کی جانب سے بھجوائے گئے مسودے کو ہی بنیاد بنایا گیا ہے۔ کھیل Bilingual ہے اور پہلے "سانجھیاں لاشاں" کے عنوان سے سٹیج کیا گیا۔ مصنف کی جانب سے دستیاب شدہ سکرپٹ پر موضوع "زندہ پاکستان" تحریر ہے۔ کھیل میں کچھ مقامات پر املا اور رموز و اوقاف کی درستی کی گنجائش موجود تھی جن میں اکثر اغلاط پروف کی ہیں۔ قصہ مختصر انہیں درستی کے بعد ڈراما نگار کو از سر نو تصدیق کے لیے بھجوایا، انہوں نے اپنے تئیں جہاں کہیں اصلاح یا ترمیم کی ضرورت محسوس کی وہاں اپنی رائے دی۔ ایسی صورت میں کھیل کے اس مسودے کو اساسی کہا جا سکتا ہے۔ مزید یہ کہ جہاں کہیں ہدایات یا کیفیات درج ہیں انہیں جلی یعنی Bold کر دیا ہے تاکہ مکالموں اور کیفیات و ہدایات میں باآسانی تخصیص ہو سکے۔

احمد حبیب ۸ جنوری ۱۹۷۱ء بمقام گوجر خان پیدا ہوئے۔ مصور، سنگ تراش، استاد، اداکار، سٹیج ہدایت کار اور ڈراما نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ مختلف اداروں میں بطور استاد مصوری، اداکاری، ہدایت کاری کی تعلیم دیتے رہے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن کے لئے کئی پروگرام جن میں دستاویزی فلمیں بھی شامل ہیں پیش کر چکے ہیں۔ "Street Theatre" کے ذریعے بھی تھئیٹر اور سماج کی خدمت میں سرگرم عمل ہیں۔ سٹیج کے لئے تحریر کردہ کھیلوں میں "وفا کے پُتلے"، "اشارہ ٹرین" شامل ہیں جو اسلام آباد PNCA میں کامیابی سے پیش کیے جا چکے ہیں۔ ان دنوں تھئیٹر کے لئے انتظار حسین کا افسانہ "آخری آدمی" کی ڈرامائی تشکیل بھی دے رہے ہیں جو انتظار حسین کی ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کی غرض سے تیار کیا

جائے گا۔ "وفا کے پتلے" کھیل اُن کا نمائندہ کھیل ہے جو انہوں نے ۲۰۰۰ء میں تحریر کیا۔ کھیل پہلی مرتبہ ایک تھئیٹر ورکشاپ کے سلسلے میں لیاقت ہال راولپنڈی میں ۲۰۰۲ء میں پیش کیا گیا۔ مئی ۲۰۱۹ء میں الحمراء آرٹس کونسل اور اکتوبر ۲۰۱۹ء ہی میں یہ ڈراما احمد حبیب نے اپنے پروڈکشن ہاوس "تصویر خانہ" کی جانب سے پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے آڈیٹوریم میں پیش کیا اور اس کی ہدایات بھی خود ہی دیں۔[27]

۵۸ صفحات پر مشتمل ڈرامے کا مسودہ ان پیج کمپوز صورت میں مصنف کے توسط ہی سے دستیاب ہوا۔ کیونکہ مصنف بذات خود شاعر اور پینٹر ہیں اس لیے کھیل میں بھی تجریدیت کے پہلوؤں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ کئی مقامات پر پینٹنگ سے متعلق اصطلاحات کا استعمال ملتا ہے اور مکالموں میں شاعری کا عنصر بھی موجود ہے۔ کہیں کہیں مکالمے منظوم ہیں۔ مصنف دراصل خود ہدایت کار بھی ہیں اس لیے مکالموں کے ساتھ کئی مقامات پر کیفیات بھی درج ہیں۔ اداکاروں کی کیفیات مکالموں میں شامل نہ ہو جائیں اس لیے تخصیص کی غرض سے کیفیات کو جلی حروف یعنی **Bold** انداز سے تحریر کر دیا ہے۔ کچھ مقامات پر تذکیر و تانیث اور رموزِ اوقاف کی معمولی اغلاط تھیں جو پروف کی اغلاط ہیں، جدید املا کے اصولوں کے مطابق ان کی تصحیح بھی کر دی۔ احمد حبیب کا یہ کھیل URDU INPAGE فارمیٹ میں ہے جو احمد حبیب نے مجھے بذریعہ ای میل ارسال کیا اسے بعینہ MS WORD فارمیٹ میں نقل کیا ہے۔ مکمل شکل میں مسودہ مصنف کو دوبارہ اس غرض سے ارسال کیا کہ جہاں کہیں انہیں درستی، اضافہ یا ترمیم کی ضرورت محسوس ہو وہ اپنے تیئں وہاں اضافہ، درستی یا ترمیم کر کے بھجوا دیں۔ مصنف نے اس پر نظرِ ثانی کی اور جہاں ضرورت محسوس کی وہاں درستی یا اضافہ و ترمیم کر دی۔ مصنف نے اس مسودے پر مہرِ تصدیق ثبت کی ہے لہذا ڈرامے کا یہ مسودہ اساسی کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر سیف اللہ

۱۳ جون ۱۹۶۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور ہی سے حاصل کی۔ قائد اعظم انٹرنیشنل یونیورسٹی میں بطور معلم اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اپنے متعلقہ شعبہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک غیر معمولی امر ہے کہ شعبہ ریاضی کی تدریس و تحقیق سے تعلق رکھنے کے علاوہ ڈاکٹر سیف اللہ کی علیحدہ سے علمی و ادبی جہت بھی نمایاں ہے۔ افسانہ نگاری اور شاعری میں طبع آزمائی کے علاوہ تھیئٹر کی جانب بھی نمایاں میلان رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سیف اللہ کے کئی افسانے / کہانیاں ادبیات، چہار سو، نیرنگ خیال اور کہسار میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ ادبی و تنقیدی مقالات روزنامہ انگریزی اخبارات ڈیلی ٹائمز، دی نیوز اور دی مسلم جبکہ اُردو اخبار نوائے وقت میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ تاحال تھیئٹر کے لیے ایک ہی ڈراما "رانگ نمبر" تحریر کیا جو کہ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس میں 16 مئی 2011ء کو آل پاکستان تھئیٹر فیسٹول میں سٹیج کیا گیا۔ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس ڈراما گروپ کے ممبر ہیں اور کئی قومی و بین الاقوامی تھئیٹر ورکشاپس میں شمولیت کے علاوہ اُن کا اہتمام بھی کر چکے ہیں، راولپنڈی ایمچور تھئیٹر سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ الحمرا کلچرل کمپلیکس اور NAFDEC سینما ہال میں پیش کردہ برٹولٹ بریخت کے ڈراما The Exception and the Rule میں اداکاری بھی کر چکے ہیں۔[28]

یہ سکرپٹ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کی آرکائیو / لائبریری سے حاصل کیا گیا۔ ڈراما کا سکرپٹ 24 صفحات پر کمپوزڈ فارم پر مشتمل ہے۔ ڈرامے کا سرورق پر جو کہ ظفر اکبر آبادی کا لیٹر ہیڈ ہے پر ڈرامے کو پیش کرنے کی منظوری دی گئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ڈراما سٹیج کرنے سے قبل بطور ماہر انہیں بھجوایا گیا ہو گا۔ ڈراما نگار نے کھیل میں اپنے تیئں کہیں ایکٹ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ لیکن کھیل اپنی ساخت اور تحریر کے اعتبار سے دو ایکٹ پر مشتمل ہے پہلا ایکٹ طویل جبکہ دوسرا ایکٹ مختصر ہے۔ یہاں دونوں ایکٹ الگ الگ تشکیل دے کر ترتیب دیے ہیں۔ پاکستان آرٹس کونسل میں کھیل پیش کرنے کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے پہلے سکرپٹ اور اُس کا خلاصہ جمع کروایا جاتا ہے تا کہ اگر متعلقہ کمیٹی کے تمام اراکین کھیل نہ پڑھ سکیں تو کم از کم خلاصہ کھیل کے موضوع کو بیان کر سکے جس سے کھیل کے پیش کیے جانے یا نہ کیے جانے کا فیصلہ کرنا دشوار نہ ہو۔ دستیاب شدہ مسودے کی ابتدا میں کھیل کا مکمل خلاصہ دیا گیا ہے جو محض ادارے کو کھیل کے متعلقات اور موضوع سے متعارف کرانے کی غرض سے تحریر کیا گیا ہے۔ یہاں خلاصہ کو بعینہ تحریر کر دیا ہے البتہ پیشکش کے لیے اس کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی ضرورت۔ سکرپٹ میں متعدد مقامات پر کرداروں کے تاثرات اور کیفیات کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جس کی وجہ سے قاری کے لیے مکالموں اور کیفیات و تاثرات میں فرق کرنا مشکل ہے۔ اس صورت کے پیش نظر مکالموں کے ساتھ درج کیفیات کو Bold یعنی نمایاں کر دیا ہے تا کہ تاثرات و کیفیات اور مکالموں میں با آسانی فرق ظاہر ہو سکے۔ اول تا آخر تمام سکرپٹ میں اسی امر کو ملحوظ رکھا ہے۔ سکرپٹ میں ٹائپوگرافک، پروف اور رموز و اوقاف کے کچھ مسائل تھے انہیں درست کرنے کے علاوہ جہاں کہیں زیادہ ضرورت محسوس ہوئی وہاں انہیں حواشی میں درج کر دیا ہے۔ مسودے کی کمپوزنگ کے بعد اسے مصنف کو بھجوایا گیا تا کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کر دیں اور اگر کہیں ترامیم یا درستی درکار ہو تو رہنمائی کر دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے تعاون کرتے ہوئے اپنی ماہرانہ رائے سے نوازا اور جہاں نشاندہی کی وہاں اضافے و ترامیم کر دیں۔ ایسی صورت میں اس مسودے کو اساسی کہا جا سکتا ہے۔

عزیز اعجاز

۲۰ مارچ ۱۹۵۳ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ عزیز اعجاز شاعر، ڈرامہ نگار، ہدایت کار اور پروڈیوسر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ پی ٹی وی اکیڈمی میں بطور ٹرینر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۲ء سے ۲۰۱۳ تک پاکستان ٹیلی ویژن میں بطور سینئر پروڈیوسر اور ایگزیکٹو پروگرام مینجر کے طور پر بھی اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ پی ٹی وی اکیڈمی میں بطور انسٹرکٹر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۷ء تک پی ٹی وی اسلام آباد اور پی ٹی وی پشاور سے کئی شہرہ آفاق ڈراما سیریلز کی ہدایت کاری کے فرائض انجام دیئے۔ تھیٹر کے لیے صرف ایک ڈراما "پیالی میں طوفان" ۲۰۱۱ء میں تحریر کیا۔ جبکہ انعام شاہ کا تحریر کردہ سٹیج ڈراما "ٹینشن فری" کی ہدایات بھی دیں جو ابا سین آرٹس کونسل پشاور میں پیش کیا۔ ان دو ڈراموں کے علاوہ آپ نے تھیٹر کے لیے کوئی دوسرا ڈراما نہ لکھا اور نہ ہی اُس کی ہدایات دیں۔[29]

عزیز اعجاز کا یہ ڈراما ان پیج پر کمپوز فارم بشمول سرورق ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے جسے از سر نو ایم ایس ورڈ میں کمپوز کیا گیا۔ ان پیج پر کمپوز سکرپٹ میں املاء رموز و اوقاف اور پروف کی کچھ معمولی اغلاط موجود تھیں جنہیں درست کر دیا گیا۔ اکا دکا مقامات پر جملے کے کچھ الفاظ حذف تھے جنہیں جملے کی ساخت اور مضمون کے اعتبار سے درست کر کے حاشیے میں بھی درج کر دیا ہے۔ متعدد

مقامات پر ہدایات اور کیفیات درج ہیں جو مکالموں سے باہم تھیں جس کی وجہ سے مکالموں کی قرات مشکل تھی لہذا انہیں جلی حروف میں نمایاں کر دیا ہے تاکہ مکالمے اور کیفیت وہدایات میں باآسانی تمیز کی جاسکے۔ حتمی طور پر یہ مسودہ ڈراما نگار کو بھی بھجوایا گیا جس پر انہوں نے جہاں کہیں درستی، ترمیم یا اضافے کی ضرورت محسوس کی اُن کی ہدایات کے مطابق وہ درستی وترمیم بھی عمل میں لائی گئی۔ ایسی صورت ڈرامے کا مذکورہ مسودہ اولین اور مستند مسودہ تصور کیا جاسکتا ہے۔

سمیر احمد

۲۷ مئی ۱۹۳۵ء لاہور میں پیدا ہوئے۔[30] سمیر احمد نے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی سے ۲۰۰۶ء میں ایم اے انگریزی ۲۰۱۱ء میں ایم فل اُردو اور پی ایچ ڈی ۲۰۲۱ میں نیو یورسٹی آف گلاسکو سے حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تاحال اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ گورنمنٹ کالج ڈرامیٹک کلب کے ایڈوائزر کے طور پر ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۶ء تک خدمات انجام دیتے رہے۔ اپنی ایڈوائزشپ کے دوران طبع زاد کھیلوں کے فروغ کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ عموماً گورنمنٹ کالج یونیورسٹی میں Colonial Theatre کی روایت موجود ہے یہاں طبع زاد کھیلوں کے لئے فضا کبھی سازگار نہیں رہی۔ البتہ اس کے باوجود طبع زاد کھیل پیش کئے گئے لیکن اُن کھیلوں کے دوران زمانی وقفہ بہت زیادہ ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تقسیم کے بعد GCDC کے ایڈوائزرز عموماً شعبہ انگریزی سے ہی منتخب کیے جاتے رہے ہیں شعبہ اردو یا پھر کسی اور شعبہ سے منتخب کردہ ایڈوائزرز کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر رہی ہے۔ ان میں پروفیسر شعیب ہاشمی یا ہارون قادر صاحب کی مثال دی جاسکتی ہے لیکن یہ تعداد بہت کم ہے شاید یہی وجہ ہے کہ شعبہ انگریزی سے وابستہ اساتذہ نے انگریزی کھیلوں یا پھر انگریزی کھیلوں کے تراجم کو ہی اہمیت دی۔ یہاں سمیر احمد کے حوالے سے اس تاثر کی نفی ہو جاتی ہے کہ وہ خود تو شعبہ انگریزی سے وابستہ ہیں لیکن اُردو ڈراما سے اُن کا شغف بہر طور لائق تحسین ہے۔ وہ بیک وقت، ڈرامانویس، ہدایت کار اور ڈراما کے نقاد بھی ہیں اپنی ایڈوائزری کی مدت میں سمیر احمد نے پانچ کھیل پیش کئے جن میں سے چار کھیلوں "شاہ عالم"، مختار نامہ"، "شیر میسور" اور| "رئیس" کی ہدایات راقم الحروف نے دیں۔ ان میں سے تین کھیل سزایاب" تصّور اقبال اور سمیر احمد کی مشترکہ تحریر تھی جبکہ "شاہ عالم" اور "شیر میسور" انفرادی طور پر سمیر احمد کے تحریر کردہ طبع زاد اُردو ڈرامے ہیں، ان کے علاوہ بانو قدسیہ کا طبع زاد کھیل "مختار نامہ "بانو قدسیہ بھی پیش کیا گیا۔ شیکپئیر کا کھیل "میکبتھ "جی سی یونیورسٹی لاہور کے وائس چانسلر "ڈاکٹر حسن شاہ" کی فرمائش پر شیکسپئر کی سالگرہ کے موقع پر "رئیس" کے عنوان سے پیش کیا گیا۔ یہ کھیل ماخوذ تھا اور اس کا ترجمہ سید قاسم محمود نے کیا جبکہ اس میں اپنے علاقائی کرداروں اور مناظر کی تبدیلی راقم نے کی۔ اس کے بعد ۲۰۲۲ میں مولئیر کا تحریر کردہ کھیل "Tarttufe" جس کا ترجمہ خالد احمد نے جالینوس کے عنوان سے کیا کوئی پیش کیا گیا۔ ۲۰۱۶ء سے تاحال جی سی یونیورسٹی لاہور میں ان چھ ڈراموں کے علاوہ کوئی اور اُردو کھیل پیش نہیں کیا گیا البتہ انگریزی دو ایک ڈرامے ضرور پیش کیے گئے۔

شیر میسور ڈاکٹر سمیر احمد کی ایک تاریخی تمثیل ہے۔ کھیل ۲۰۱۴ء میں تحریر کیا گیا اور اسے اپریل ۲۰۱۵ء میں بخاری آڈیٹوریم میں پیش کیا گیا۔ انگریزی تحریر میں روانی کی وجہ سے سمیر احمد نے اس کھیل کو پہلے انگریزی میں تحریر کیا بعد ازاں سمیر احمد، ڈاکٹر عاطف اور راقم نے مل کر کئی نشستوں میں اسے اُردو زبان میں منتقل کیا جو ڈراما نگار کے عین حسب منشا ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سمیر احمد نے یہ کھیل اُردو میں پیش کرنے کے لئے تحریر کیا تھا لیکن اُردو زبان پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے

پہلے انہوں نے اسے انگریزی میں تحریر کیا ازاں ہمارے رفیق ڈاکٹر عاطف یعقوب جو فن ڈراما سے اچھا خاصا شغف رکھتے ہیں اور لمحہ موجودہ میں شعبہ ذوالوجی میں بطور پروفیسر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں اور خاکسار کی معاونت سے اسے اُردو میں منتقل کیا۔ ایک نجی گفتگو کے دوران انہوں نے خود کہا:

> "میں اسے انگریزی زبان میں پیش ہی نہیں کرنا چاہتا تھا میرے شعور میں اس کا خاکہ اُردو زبان میں پیشکش کا تھا۔ اور ویسے بھی تاریخ اپنی زبان ہی میں سچائی کا عنصر رکھتی ہے کسی دوسری زبان میں شاید مسخ ہو جائے۔ ہاں البتہ ہمارے ہاں یہ معاملہ معکوس ہے لیکن ڈراما نگار کے لئے ضروری ہے کہ سچائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا فرض ادا کرے۔ اس کھیل کی جو تاثیر اُردو میں پیدا ہو سکتی ہے وہ انگریزی میں ہرگز نہیں کیونکہ ٹیپو سلطان تو اس خطے کا ہیرو ہے انگریزوں کے لئے اُس کا کردار اور نوعیت کا ہے۔"[31]

یہ سکرپٹ ایم ایس ورڈ MS Word میں کمپوزڈ A4 سائز کے ۷۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ قابل ذکر بات یہ کہ سکرپٹ میں نے ہی ٹائپ کیا لیکن بدقسمتی سے لیپ ٹاپ میں خرابی کے باعث یہ سکرپٹ میرے سسٹم سے حذف ہو گیا۔ لہذا جو نقل میرے پاس بطور ہدایت کار موجود تھی اُسے استعمال میں لاتے ہوئے میں نے از سر نو اس کی کمپوزنگ کی۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ فوٹو کاپی کروانے کی وجہ سے کچھ مقامات پر قرات پر بوجھ پڑتا تھا لہذا قیاسی تصحیح کے بعد جہاں جہاں تصحیح کی اور جہاں ابہام تھا اُن تمام مقامات کو نشان زد کر کے مصنف کو بھجوا دیا۔ مصنف نے مسودے کو پڑھ کر جہاں درستی یا ترمیم کی ضرورت تھی وہاں اصلاح کر دی ہے ایسی صورت میں اس مسودے کو اساسی کہا جا سکتا ہے۔

دمنتی کراچی میں رہائش پذیر ہیں اور ناپا"نیشنل اکیڈمی آف پرفامنگ آرٹ" میں بطور ہندی اُردو مترجم اور لائبریرین دونوں حیثیوتوں سے اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں ۔ انگریزی ، اُردو، ہندی اور گجراتی زبان سے واقفیت رکھتی ہیں ۔ نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ ہی سے اداکاری ، ڈراما نگار ی اور ہدایت کاری میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی ۔ تاحال تین ڈرامے تحریر کر چکی ہیں جن میں پہلا ڈراما " پرسانا نان گراٹا"[32]، دوسرا ڈراما "رو پ متی" اور تیسرا ڈراما " معراج " ہے ۔ ان میں سے "پرسانا نان گراٹا" سٹیج ہو چکا ہے جبکہ بقیہ دوڈرامے سٹیج نہیں ہوئے۔ لیکن یہ دونوں ڈرامے بھی اپنی تحریر کے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ تاحال دیگر ڈراموں میں ہیر رانجھا، بن آئے نا بنے ، عشق آتش اور بالی کی ہدایت کاری کے فرائض انجام دے چکی ہیں ۔ اس کے علاوہ انگریزی کےترجمہ شدہ ڈرامے جن کی ہدایات دیں ان میں Dollas No Exit,Tea Whitener, Burqa Viganza,House شامل ہیں ۔دمنتی گوسائی کاتحریر کردہ ڈراما پرسانا نان گراٹا، ضیا محی الدین آڈیٹوریم کراچی ناپا میں ۲۰۱۷ ء میں پیش کیا گیا جسے بہت پذیرائی ملی۔ [33]

ڈرامے کا دستیاب شدہ مسودہ Inpage پروگرام پر کمپوز شدہ تھا جو انہوں نے راقم کو بذریعہ ای میل ارسال کیا۔ بغور مطالعے کے بعد اس میں گرامر، املا اور رموز و اوقاف کی کچھ اغلاط موجود پائیں جنہیں درست کر دیا اور جہاں کہیں پروف کی غلطی یا جملے کی گرامر کے اعتبار سے درستی درکار تھی اُس کی بھی اصلاح کر دی۔ تمام تر درستی کے بعد مسودہ دمینتی گوسائی کو ارسال کیا اور انہوں

نے اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد جہاں جہاں مزید درستی، اضافے یا ترامیم درکار تھیں اُن سے متعلق آگاہ کیا جسے مصنفہ کی منشاء کے مطابق درست یا اضافہ کر دیا گیا۔ لہٰذا اپنی اس صورت میں اس مسودے کو اساسی مسودہ کہا جا سکتا ہے۔ ایک اہم نکتہ یہ کہ مصنفہ کیونکہ بذات خود ہدایت کارہ بھی ہیں اس لیے سکرپٹ میں کئی جگہوں پر منظر کی ابتداء میں جو ہدایت درج کی ہیں اُن میں عموماً سٹیج کی انگریزی اصطلاحات کے حوالے سے مخففات کا استعمال کیا گیا ہے جو عام قاری کے لیے قطعی ناقابل فہم ہے۔ مصنفہ نے تمام سکرپٹ میں ہر منظر سے متعلق جو تفصیلات اور جزئیات درج کی ہیں اُن میں عموماً U/S، C/S اور D/S کے مخففات کا استعمال کیا ہے۔ ان تینوں مخففات کی تفصیلات سکرپٹ کے پہلے صفحے کے حواشی میں ایک ہی مرتبہ درج کرنے پر اکتفا کیا ہے تاکہ ہر منظر میں بارہا استعمال ہونے والے مخففات کے حوالے سے حواشی کی تکرار نہ ہو جو کہ قاری پر بار ہو سکتی ہے۔

اللہ دینو بلوچ مارچ ۱۹۵۴ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ اللہ دینو بلوچ ولد میر احمد خاں شاہوانی، ادبی حلقوں میں اے ڈی بلوچ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ابتداء سے گریجویشن تک تعلیم کوئٹہ ہی میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۳ سے تاحال بطور ڈراما نگار، ہدایات کار اور پروڈیوسر ٹیلی ویژن، ریڈیو اور سٹیج کے لیے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۹۹ء تک بلوچستان ڈیویلپمنٹ اتھارٹی میں ملازم رہے اور وہی سے ریٹائر ہوئے۔ تھیئٹر گروپ "سنگت تھئیٹر بلوچستان" کے چیئرمین بھی ہیں۔ تھئیٹر کے لیے ڈرامے تحریر کرنے کا آغاز ۱۹۷۳ء سے کیا۔ تاحال بلوچستان آرٹسٹ ویلفئیر کمیٹی گورنمنٹ آف بلوچستان کے ممبر کے طور پر بھی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ تھئیٹر ڈراموں کے لکھاری کے طور پر ۴۵ کے قریب قومی ایوارڈز بھی حاصل کر چکے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے لیے ۱۲ سے زائد جبکہ تھئیٹر کے لیے متعدد براہوی، بلوچی، پشتو اور اُردو ڈرامے تحریر کیے۔ اُردو سٹیج کے لیے آپ کے تحریر کردہ ڈراموں کی تعداد ۲۰ سے زائد ہے۔ اگر مجموعی طور پر ان کے تحریر کردہ سٹیج ڈراموں کی تعداد کا اندازہ لگایا جائے تو یہ قریباً پچاس سے زائد ہیں۔ اے ڈی بلوچ کے اُردو سٹیج کے لیے تحریر کردہ ڈراموں میں نیو رمائنڈ، زمین کے زخم، شہر نا پرسان، اللہ میری توبہ، وقت کی آواز، میں پہلی بار مری، دیکھ تماشا، وقت کا راگ، کتاب، آوّجی بھر کے روتے ہیں، مست توکلی اور نور بی بی کا جرم قابل ذکر ہیں۔ اے ڈی بلوچ کے زیادہ تر ڈرامے NGO's کے تعاون سے پیش کیے گئے۔ ان کے تمام ڈرامے مختصر دورانیے کے ہیں جو تقریباً ۴۰ سے ۶۰ منٹ پر مشتمل ہیں۔ ان کے تمام ڈرامے اپنے موضوع کے اعتبار سے ملی، سماجی، روایتی، سیاسی، علاقائی مسائل کا انفرادی و اجتماعی احساس رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید تھئیٹر کا طرز طریق بھی رکھتے ہیں۔ ان کے دستیاب شدہ ڈراموں میں "مست توکلی" اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ڈراما ۲۳ مارچ ۲۰۲۱ میں نوری نصیر خان آڈیٹوریم میں بلوچستان آرٹس کونسل کے زیر اہتمام پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ یہ ڈراما ڈیرہ مراد جمالی میں بلوچی زبان میں بھی پیش کیا گیا جسے علاقائی سطح پر بھی بہت پذیرائی ملی۔ آپ کے تحریر کردہ ڈراموں کی تعداد اور معیار سے انداز لگایا جا سکتا ہے کہ بلوچستان میں بھی اُردو ڈرامے کی روایت بڑی مستحکم ہے بدقسمتی سے جسے نظر انداز کیا گیا۔ اس روایت کے کچھ اور ستونوں میں اورنگ زیب اور عالی سیدی کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔[34]

اے ڈی بلوچ کا ڈراما مست توکلی ورڈ فارم میں A۴ سائز کے ۱۱ صفحات پر مشتمل کمپوز سکرپٹ ہے۔ جس میں مکالموں اور کرداروں کو الگ الگ ٹیبل بنا کر علیحدہ اور نمایاں گیا گیا ہے جو کہ ڈرامے کے پڑھنے والے پر بار محسوس ہوتا ہے۔ یہاں اس طریقے

کو حذف کر کے وہی طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے جو دیگر سکرپٹس کی ترتیب کے لیے اختیار کیا گیا تا کہ تمام سکرپٹس ایک ہی طرز پر کمپوز ہوں۔ مذکورہ سکرپٹ میں کچھ مقامات پر املاء کے مسائل تھے جنہیں درست کر دیا گیا۔ جہاں کہیں تذکیر و تانیث کے مسائل در پیش آئے وہاں ڈراما نگار سے معاونت ملی۔ دوران گفتگو استفسار پر اے ڈی بلوچ نے بتایا کہ یہ اغلاط ارادتاً نہیں بلکہ پروف کی ہیں۔ دراصل حتمی اور درست مسودہ کی عدم دستیابی کی وجہ سے یہ معاملہ در پیش آیا جو ڈراما نگار کی تحویل میں نہ تھا، البتہ یہ ابتدائی مسودہ ہی مل سکا جس میں پروف کی اغلاط اور تذکیر و تانیث کے مسائل تھے۔ ایسی صورت حال کے پیش نظر اسی مسودے پر کام شروع کیا اور اسی کی تصحیح کی کوشش کی۔ تصحیح کے بعد یہ مسودہ ڈراما نگار سے مزید رہنمائی کے لیے بھجوایا تا کہ اگر کہیں درستی، ترمیم یا اضافہ درکار ہو تو وہ اس سلسلے میں اپنی رائے سے آگاہ کر دیں تا کہ اس مسودے کو حتمی شکل دے کر محفوظ کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں انہوں نے بھرپور تعاون فرمایا اور جہاں کہیں ترمیم و اضافے یا درستی کی ضرورت محسوس کی رہنمائی فرمادی۔ ڈرامے میں جہاں کہیں ہدایات یا کیفیات درج ہیں انہیں جلی حروف میں درج کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں دو مقامات پر تشریح طلب الفاظ یا ناموں کی متعلقہ تفصیل یا معانی حاشیے میں درج کر دیئے ہیں۔ موجودہ صورت میں یہ سکرپٹ اپنی صحت کے اعتبار سے مکمل ہے اور اسے اساسی مسودہ کہا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر وقار عظیم ۱۱ ستمبر ۱۹۷۳ء کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فیڈرل گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول نمبر ۶ سے حاصل کی۔ ایچ ۹ کالج اسلام آباد سے گریجویشن اور کوہسار میڈیکل کالج سے ڈی ایچ ایم ایس مکمل کیا۔ سول ہسپتال راولپنڈی میں ہاؤس جاب کی اور کچھ عرصہ پرائیوٹ کلینک یعنی میڈیکل پریکٹس بھی کرتے رہے۔ جلد ہی اس شعبے کو خیر باد کہہ کر تخلیقی سرگرمیوں کا حصہ بن گئے۔ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس کے زیر اہتمام RADA رائل اکیڈمی آف ڈرامیٹک آرٹس کے لائٹ ڈائریکٹر فرانسس ریڈ سے سٹیج لائٹنگ کی تربیت حاصل کی اور اس سے متعلقہ تکنیکی کورس بھی مکمل کیا جس نے آپ کی پیشہ ورانہ صلاحیت کے لیے تازیانہ کا کام دیا۔ اسلم اظہر، شعیب ہاشمی، طلعت حسین، مُصطفیٰ سجاد حیدر، سلمان شاہد، بُشریٰ انصاری، کمال احمد رضوی، شیما کرمانی، تحریمہ مٹھا، سرمد صہبائی، خالد احمد، انور مقصود، معین اختر، اشفاق احمد، ڈاکٹر انور سجاد، آغا ناصر اور ثمینہ احمد سے پاکستان نیشنل کونسل آرٹس میں ڈراما کی باقاعدہ تربیت حاصل کی اور ان اساتذہ سے زانوئے تلمذ کرتے رہے۔ بغداد یونیورسٹی کے ڈراما استاد نظار الغریب سے اس وقت Pantomime کی تربیت حاصل کی جب پاکستان میں اس تکنیک کے تحت ڈراما یا کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کی روایت نے جنم نہیں لیا تھا۔ ملٹی ویژن کمیونیکیشن میں بطور ڈراما پروڈیوسر بھی خدمات سرانجام دیں اور اسی دوران ٹیلی ویژن کے لیے، دل کا معاملہ، کھیل نہیں ہے، جن کو جنون، جیسے معروف ڈراموں کی ہدایات بھی دیں۔ ۱۹۹۹ میں پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس سے وابستہ ہوئے۔ تاحال ۱۰۰ سے زائد سٹیج ڈرامے پروڈیوس کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ لاہور آرٹس کونسل پشاور، کراچی، کوئٹہ، مظفر آباد، گلگت اور سکردو میں متعدد ڈراما اور کشاپس کا انعقاد بھی کروا چکے ہیں۔ ان کے پروڈیوس کردہ سٹیج ڈراموں میں وقت کی پکار، The Lonely Fox، بدھا، احساس، خواب نگر، Black & White اور ان کا اپنا تحریر کردہ ڈراما کہانی سانس لیتی ہے قابل ذکر ہیں۔ تاحال پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس سے وابستہ ہیں۔ ڈراما "کہانی سانس لیتی ہے" اگست ۲۰۲۲ء میں الحمراء آرٹس کونسل لاہور میں KN انٹر نیشنل میڈیا پروڈکشن اور گلوبل پیس

اینڈ ہارمنی کے تعاون سے پیش کیا گیا جس کے پروڈیوسر افتخار احمد ہیں جو بذات خود ڈراما سے شغف رکھتے ہیں اور جلد ہی ان کے تعاون سے یہ ڈراما پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اور لندن میں میں بھی پیش کیا جائے گا۔[35]

ڈاکٹر وقار عظیم کا یہ ڈراما ان پیج پر کمپوز فارم میں بشمول سرورق ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے جسے از سر نو ایم ایس ورڈ میں کمپوز کیا گیا۔ ان پیج پر کمپوز سکرپٹ میں املاء اور پروف کی کچھ اغلاط موجود تھیں جنہیں درست کر دیا گیا۔ مزید یہ کہ ڈراما نگار نے متعدد مقامات پر ہدایات اور کیفیات درج کی ہیں جو کسی دوسرے ہدایت کار اور ڈرامے میں کردار ادا کرنے والے اداکاروں کے لیے معاون ہیں انہیں Bold یعنی نمایاں کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ مسودہ کمپوز صورت میں مشمولہ تبصرہ ڈراما نگار کو بھجوایا گیا تاکہ وہ اپنے تئیں اغلاط کی درستی کی تصدیق کر دیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر وقار عظیم نے تعاون فرمایا اور جہاں ضرورت پیش آئی وہاں اپنے رائے سے آگاہ بھی کرتے رہے۔ بلکہ تصحیح و نظر ثانی کے لیے از سر نو بھجوائے گئے مسودے میں انہوں نے کئی مقامات پر ہدایات اور کیفیات کے سلسلے میں اضافے بھی کر دیئے، جنہیں بعینہ رکھا گیا ہے۔ موجودہ حالت میں "کہانی سانس لیتی ہے" ڈراما کا یہ مسودہ اول اور مکمل مسودہ سمجھا جا سکتا ہے جو اپنی صحت متن کے اعتبار سے مصدقہ ہے۔

مذکورہ تمام ۱۲ سٹیج ڈرامے طبع زاد ہیں اور پاکستان یا پاکستان سے باہر سٹیج کیے جا چکے ہیں۔ ان ڈراما نگارو ں میں علی احمد ، ڈاکٹر انور سجاد، اصغرندیم سید، ولیم پرویز اور اے ڈی بلوچ ایسے ڈراما نگار ہیں جن کی پہچان ڈراما نگاری ہے ۔ یہ نابغہ روزگار ڈراما کے اسرار و رموز سے آگاہ ہیں اور کئی سٹیج ڈرامے تحریر کر چکے ہیں ۔ ان میں اصغر ندیم سید کی پہچان ٹی وی ڈراما ہے لیکن انہوں نے سٹیج کے لیے جو دو ڈرامے تحریر کیے وہ اپنے موضوع اور فنی تجربے کی بنیاد پر بہترین سٹیج ڈرامے کہے جا سکتے ہیں۔ احمد حبیب ایک فن کار ہیں اور سٹیج ڈرامے کا بغور مطالعہ بھی کر رکھا ہے ۔ حال ہی میں اکتوبر ۲۰۲۲ء میں تحریر کردہ ڈراما" اشارہ ٹرین " پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اسلام آباد میں سٹیج کیا گیا۔ ولیم پرویزتقریبا ۳۵ سال سے تھیٹر ڈرامے سے وابستہ ہیں اور ان کے سٹیج ڈراموں میں روایت اور جدت کا ایک منفرد انداز جھلکتا ہے۔ ڈاکٹر وقار عظیم، سمیر احمد اوردمنتی گوسائی سٹیج ڈرامے کے مضبوط لکھاری ہیں اگر یہ اس فن پر مزید توجہ دیں تو پاکستان میں جدیداُردو سٹیج ڈراموں کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر سیف اللہ اور عزیز اعجاز نےالبتہ ایک ایک ڈراما ہی تحریر کیا لیکن اگر یہ سٹیج ڈرامے کی جانب باضابطہ توجہ صرف کریں تو پاکستانی سٹیج ڈرامے کو مزید با صلاحیت ڈراما نگار میسر آ سکتے ہیں۔

تقسیم سے تاحال جو طبع زاد اُردو سٹیج ڈرے پاکستان کے طول عرض خصوصاً لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد، کراچی، پشاور، کوئٹہ کی آرٹس کونسلز، تعلیمی و نجی اداروں میں یا انفرادی طور پر پیش کیے گیے اُن سب کا مکمل ریکارڈ موجود نہیں۔ الحمراء آرٹس کونسل کے زیر نگرانی ہونے والے اُردو سٹیج ڈراموں کا ریکارڈ کسی حد تک محفوظ ہے لیکن گزشتہ ایک دہائی میں اُس ریکارڈ سے کئی سکرپٹس غائب ہو چکے ہیں لیکن یہ امر قابل ذکر اور قابل تحسین ہے کہ آج ان میں سے جتنے سکرپٹس موجود ہیں انہیں پی ڈی ایف کمپیوٹر فائلز کی صورت میں سکین کر کے آرکائیو میں Digitalize شکل میں محفوظ کر لیا گیا ہے جو ایک بڑی پیش رفت ہے اور دیگر آرٹس کونسلز کے لیے قابل تقلید بھی۔ یہاں ایک نقص کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ ان سکرپٹس کو سکین کرتے وقت کوئی مروجہ سائنٹیفک اصول نہیں اپنائے گئے جس کی وجہ سے سکین شدہ کئی سکرپٹس کے صفحات کے اوپری یا نچلے حصے یعنی

مکالمے خذف ہو گئے جن کی وجہ سے یقیناایسے مسودوں کی صحت پر سوال اٹھتاہے۔اس کے علاوہ پی ڈی ایف بناتے وقت اس امر کا خیال نہیں رکھا گیا کہ اس سکرپٹ کے اول وآخر صفحات موجود ہیں یا نہیں۔ایسی صورت میں کئی سکرپٹس ناقص الاول اور ناقص آخر ٹھہرے لیکن اس صورتحال کے باوجود متعدد مسودے ایسے ہیں جو اول و آخر مکمل ہیں۔یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ الحمراء آرٹس کونسل کی لائبریری انتظامیہ نے اس معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے یہ مستحسن قدم اُٹھایا۔اگر ایسے مسودے جن کے اوپری یانچلے حصے سکین نہیں ہوسکے اور وہ سکرپٹس جو ناقص الاول یاناقص الاخر ہیں اگر از سر نو انہیں بھی مکمل کر دیا جائے تو یہ بلا شبہ ایک قابل ستائش کوشش ہو گی جو اسے پاکستان کی دوسری آرٹ کونسلز ہی نہیں بلکہ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس اور نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹس سے بھی ممتاز کرے گی جن کے پاس اس ادارے سے زیادہ وسائل موجود ہیں۔

گورنمنٹ کالج لاہور میں تھئیٹر کی روایت ایک صدی سے تجاوز ہے لیکن افسوس کہ یہاں کی ڈراما کلب نے اس ادارے میں ہونے والے کسی سٹیج ڈرامے کا کوئی سکرپٹ محفوظ نہیں کیااور نہ ہی ڈراما کلب نے اپنی کوئی آرکائیو ہے۔ان کے علاوہ پنجاب آرٹس کونسل میں بھی سکرپٹس موجود تھے لیکن وہ بھی اب دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔نیشنل کونسل آف دی آرٹس میں پیش کیے گئے سٹیج ڈراموں میں سے کئی ڈراموں کے مسودے موجود ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اب انہیں محفوظ کر کے الحمراء آرٹس کونسل کی طرز پر Digitalize کر دیا جائے۔راولپنڈی اور اباسین آرٹ کونسل کے پاس تو کسی قسم کا ریکارڈ سرے سے موجود ہی نہیں راولپنڈی اور پشاور میں سٹیج ڈرامے کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے محنت شاقہ کی ضرورت ہے اور بہت حد تک مالی وسائل کی بھی۔کراچی آرٹ کونسل کا بھی زیادہ تر ریکارڈ محفوظ نہیں لیکن ایک معاملہ جو اسے دیگر آرٹ کونسلز سے منفرد بناتا ہے کہ یہ سرکار کی زیر سرپرستی نہیں اسی لیے یہ اپنے فنڈز خود اکٹھا کرتی ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ یہاں پیش کیے گئے سٹیج ڈراموں کا ریکارڈ محفوظ کرنے کے لیے بھی کوئی بہتر انتظام کیا جائے تاکہ کراچی میں پیش کردہ سٹیج ڈراموں کی باقاعدہ تاریخ مرتب ہونے کے ساتھ ساتھ یہاں پیش کیے گئے سٹیج ڈراموں کو بھی محفوظ کیا جاسکے۔ناپاNAPAاس سلسلے میں اپنے طلباکے تحریر کردہ طبع زاد سٹیج ڈراموں کی خود اشاعت کرے تو یہ ایک بہتر اور مستحسن اقدام ہو گا۔اس ادارے کے پاس وسائل کی کمی نہیں لہذا یہ اپنے ادارے سے فارغ التحصیل طلباکے تحریر کردہ طبع زاد ڈراموں کی باآسانی اشاعت کر یا کرواسکتاہے۔

اب کتب کی اشاعت پر غیر معمولی لاگت آتی ہے۔سٹیج ڈراماپہلے اتنااہمیت کاحامل نہیں سمجھا گیااور اب تو اسے سرے سے ہی ادب سے باہر کر دیا گیاہے۔ایسے میں یہ زمہ داری زیادہ تر اداروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ڈرامے اور خصوصا سٹیج ڈرامے کے تحفظ کے لیے طبع زاد ڈراموں کی اشاعت کے لیے عملی قدم اٹھائیں کیونکہ دور حاضر میں ترقی یافتہ ممالک میں اسے باقاعدہ ایک ایسے شعبے کی حیثیت حاصل ہے جس سے ہزاروں افراد معاشی طور پر فیض یاب ہو رہے ہیں۔ایسے میں جہاں فکر و عمل کے راستے مسدود ہو جائیں اور تفریح محض ٹھٹھااور جگت بن کر رہ جائے وہاں مثبت اور صحت مند رویوں کو پروان چڑھانے کے لیے ایسے ذرائع تفریح واصلاح کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔

اس بحث کی روشنی میں چند سفارشات مرتب کی ہیں ممکن ہے کہ جن کی عملی صورت گری سے پاکستان میں اُردو تھیٹر اورسٹیج ڈراما کا از سر نو احیا , ممکن ہو سکے:

۱۔ حکومت وقت سنجیدگی سے اس علمی و ثقافتی سرمائے کی حفاظت پر غور کرنے کے لیے ثقافتی سطح پر کمیٹیاں تشکیل دے۔

۲۔ اس سلسلے میں حکومت فن تدوین اور طبع زاد سٹیج ڈراموں کی تدوین کے لیے معقول رقم بھی مختص کرنے میں سنجیدگی ظاہر کرے۔

۳۔ جامعات میں پی ایچ۔ڈی اور ایم۔فل کی سطح پر تحقیق کرنے والے طالب علموں کو ڈراموں کی تدوین کی جانب بھی مائل کیا جائے۔

۴۔ ایچ ای سی جس طرح تحقیق کے لیے جامعات کو خاطر خواہ مالی معاونت فراہم کرتا ہے اسی طرح اُردو سٹیج ڈرامے کے فروغ، اسے روزگار بنانے اور جامعات میں زیر تعلیم طلبا کی مثبت ذہن سازی کے لیے بھی مالی معاونت فراہم کرے۔

۵۔ یونیورسٹی کے ایسے طلبا جو فنون ادائیہ یعنی پرفارمنگ آرٹس کے حوالے سے تحقیق کے میدان میں سرگرم ہیں انہیں باضابطہ آرٹ کونسلز سے مسنلک کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں تا کہ اُن کے لئے وہاں روزگار کے مواقع بھی فراہم کیے جا سکیں۔

۶۔ مسودوں کو یکجا کرنا اور اُن کی تدوین ایک دقت طلب، وقت طلب اور بھرپور مالی وسائل کا تقاضا کرتا ہے اس سلسلے میں مدون طلبا یا افراد کو تحقیق و تدوین کے لیے مالی وسائل مہیا کرنے کے لیے فنڈز مختص کیے جائیں۔

۷۔ اہم علاقائی، سیاسی، ثقافتی، تاریخی، ادبی نوعیت کے حوالے سے تحریر کردہ طبع زاد ڈراموں کے مسودوں کو جامعات، نجی یا حکومتی لائبریریوں میں آرکائیوز کی صورت میں محفوظ کیا جائے۔

۸۔ شائع شدہ طبع زاد ڈراموں کے مجموعوں کی حفاظت یقینی بنائی جائے اور کتب خانوں کی انتظامیہ کو پابند کیا جائے کہ وہ ان کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے اہم اقدامات کریں۔

۹۔ آرٹ کونسلز، ثقافتی ادارے اور جامعات طبع زاد ڈراموں کے مسودے یکجا اور محفوظ کرنے کے لیے ایک سا طریقہ کار وضع کریں۔

۱۰۔ تعلیمی اداروں میں اساتذہ طلبا کو نا صرف ڈرامے کی سماجی و معاشی، علمی و ثقافتی حیثیت سے روشناس کروائیں بلکہ معیاری ڈراموں کو سٹیج کرنے کی تحریک دیں اور جامعات میں اسے تربیت کے طور پر محدود سطح پر کاروبار کے طور پر متعارف کروانے کی عملی کوششیں بھی کریں۔

۱۱۔ اشاعتی ادارے اس سلسلے میں اگر اپنی قومی ذمہ داری کا احساس کر کے ڈراموں کی اشاعت کا بیڑا اٹھالیں تو برا نہیں۔

۱۲۔ مجلس ترقی ادب، الحمرا کے سکرپٹس کو پرکھ کر اُن میں سے بہتر سکرپٹس کی تدوین و اشاعت کی ذمہ داری قبول کرے تو صورتحال مزید بہتر ہو سکتی ہے۔

۱۳۔ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس نے سٹیج ڈراموں اور خصوصاً طبع زاد ڈراموں کی اشاعت کے حوالے سے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ آج اس امر کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے کہ PNCA اپنے ہاں نا صرف پیش کردہ طبع زاد سٹیج ڈراموں کی آرکائیو تیار کرے بلکہ ان کی اشاعت کا اہتمام بھی کرے۔

۱۴۔ راولپنڈی آرٹ کونسل میں ہونے والے طبع زاد ڈراموں کا کوئی ریکارڈ نہیں اس سلسلے میں راولپنڈی آرٹ کونسل کو اس سلسلے میں علیحدہ یا خصوصی فنڈز جاری کر کے اس ذخیرہ کو یکجا اور محفوظ کرنے کی سعی کی جائے۔

۱۵۔ اباسین آرٹس کونسل پشاور کے لیے بھی باقاعدہ کمیٹی تشکیل دی جائے جو اباسین آرٹ کونسل اور پشاور میں سرکاری و نجی سطح پر ہونے والے طبع زاد ڈراموں کے مسودوں کی جمع آوری کے لیے حکمت عملی وضع کرے۔

۱۶۔ کوئٹہ میں اُردو سٹیج ڈرامے کی روایت بھی مستحکم رہی ہے، ہر سطح پر بلوچستان کو نظر انداز کرنے کی روایت اُردو ڈرامے کے حوالے سے بھی برقرار رہی ہے لہٰذا یہاں کے ڈرامانگاروں کے تحریر کردہ طبع زاد ڈراموں کو یکجا کرنے کی ضرورت ہے جسے خالصتاً ہر لحاظ سے حکومتی سرپرستی حاصل ہو۔

۱۷۔ کراچی آرٹس کونسل بھی اپنے ہاں پیش کردہ طبع زاد ڈراموں کے مسودوں کو نا صرف یکجا کرنے کی ذمہ داری لے بلکہ ان میں سے معیاری طبع زاد ڈراموں کی اشاعت کے لیے بھی عملی اقدامات کرے۔

۱۸۔ نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹس، کراچی کے پاس اوسائل موجود ہیں۔ اس حوالے سے اس اکیڈمی پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہاں کے طلبا کے تحریر کردہ بہترین طبع زاد اُردو ڈراموں کی اشاعت کے لیے عملی اقدامات اُٹھائے۔

۱۹۔ ادبی ڈرامانگاری کے علاوہ عملی سٹیج ڈرامے تحریر کیے جائیں تاکہ عصری تقاضوں کی بھرپور عکاسی ہو اور طلبا اور دیگر افراد اُس میں دلچسپی لیں اور نا صرف اسے جز وقتی تفریح سمجھیں بلکہ اُسے ذریعہ روزگار بھی بنا سکیں۔

۲۰۔ اُردو سٹیج ڈراموں کی باقاعدہ آرکائیو تیار کی جائے جو کہ ہر صوبائی سطح پر مرکزی حیثیت کی حامل ہو ہر صوبے کے کسی شہر یا قصبے میں ہونے
والے سٹیج ڈرامے کا مسودہ صوبائی مرکز کے دفتر میں جمع کروایا جائے تاکہ اُسے محفوظ کر لیا جائے۔

۲۱۔ مرکزی صوبائی دفتر میں جمع شدہ ڈراموں کی جانچ کے لیے ماہرین کا بورڈ تشکیل دیا جائے اور بورڈ کی شفارشات پر ان میں سے خاص تعداد میں
انتہائی معیاری طبع زاد اُردو ڈرامے ہر دو یا تین سال بعد شائع کروائے جائیں۔

۲۲۔ جامعات اور آرٹ کونسلز باہمی یاداشتوں پر دستخط کریں اور طلبا کو تحریک دیں کہ وہ اپنے طبع زاد اور تیار کردہ سٹیج ڈرامے آرٹ کونسلز میں
پیش کریں۔ اس سلسلے میں طلبا کو کسی نہ کسی طور معاوضہ ضرور دیا جائے بے شک ہو معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

۲۳۔ حکومتی و نجی اشتراک سے قومی و بین الاقوامی سٹیج کمپنیوں کو یا اُن کے نمائندوں کو پاکستان میں سکرپٹ تحریر کرنے، اداکاری اور ہدایت کاری
کے لیے اکسایا جائے اور یہ اُسی صورت ممکن ہے جب حکومت یا نجی ادارے اس شعبے کے لیے خاطر خواہ مالی معاونت کریں۔

۲۴۔ آرٹ کونسلز، جامعات اور کالجوں میں سٹیج ڈڑاموں کو باقاعدہ شش ماہی سرگرمی بنایا جائے۔

۲۵۔ ان ڈراموں کی اشاعت کی ذمہ داری حکومت اپنے ذمے لے ناصرف اشاعت بلکہ ان میں شامل ڈراموں کے مصنفین کو انعامی رقم دینے کے
ساتھ ساتھ جملہ حقوق محفوظ کر دے تاکہ اگر کوئی اس ڈرامے کو سٹیج کرے تو مصنف سے باضابطہ اجازت لے کر اور معاوضہ طے کر کے ڈراما
تیار کرے۔ یوں ڈراما نگار اور پیش کاروں کے لیے معاشی ترقی کے امکانات روشن ہونے کی وجہ سے اسے بطور پیشہ اپنانے کی تحریک بھی پیدا
ہو گی۔

اگر حکومت وقت، تعلیمی ادارے اور نجی تنظیمیں اس جانب اپنی توجہ مرکوز کریں تو یقیناً یہ پاکستان میں سٹیج ڈراما کی ترویج و ترقی اور اسے ایک باوقار معاشی ذریعہ بنانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمسایہ ممالک اور یورپ میں سٹیج ڈراما باقاعدہ ایک ہفتہ وار سرگرمی ہے اور اس سے لاکھوں افراد خصوصاً نوجوانوں کا باعزت روزگار وابستہ ہے۔ یہ افراد ناصرف روزگار سے وابستہ ہیں بلکہ بیرون ملک یہ اپنے ثقافتی و سماجی، تاریخی و ادبی اور سیاسی ورثے کی مثبت تشہیر کرنے میں بھی پیش پیش رہتے ہیں جو بلاشبہ اپنے ملک کی سفارت کاری کے ہم پلہ ہے۔ ہمارے ہاں جس طرح روزگار کے مواقع کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں ایسے میں ایک مثبت ذریعہ روزگار کے لیے راستہ ہموار کرنا جو ہماری ثقافتی، تاریخی، سماجی و ادبی اور سیاسی ورثے کی حفاظت کا ضامن بھی ہو یقیناً ملک کے لیے

فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے نیک نیتی سے مساعی کی مستقل اور بلارکاوٹ کوششوں کی ضرورت ہے۔ بحیثیت مجموعی تدوین متن عرق ریزی اور مشقت طلب کام ہے۔ اس میں ذاتی دلچسپی، ذہنی بالیدگی، فنی پختگی، لسانی مہارت، تاریخی شعور، مالی معاونت، وسعت نظری، جسمانی صحت اور مضبوط اعصاب سبھی کو دخل ہے۔ اس لیے جامعات اور حکومتی اداروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اُردو سٹیج ڈرامے اور خصوصاً طبع زاد اُردو ڈرامے کی تحقیق و تدوین کے لیے محققین اور مدونین کو سازگار فضا مہیا کریں اور یہی نہیں بلکہ اس کام کے لیے ایسے کہنہ مشق افراد کو تدوین کی ذمہ داری سونپی جائے جو اس معیار پر پورا اترتے ہوں۔ تاکہ فن کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اس ادبی اور قومی فریضہ کو بطریق احسن انجام دیا جا سکے اس کے علاوہ جامعات میں فن تدوین کو فروغ دینے کے لیے بھی عملی اقدامات کیے جائیں تاکہ فن تدوین سے وابستہ ایک مسلسل مکتبہ فکر کی آبیاری ہو سکے۔

حواشی و حوالہ جات:

*** پرنسپل انویسٹی گیٹر، NRPU 11880، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور**

**** معاون / کو پرنسپل انویسٹی گیٹر، NRPU 11880، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ ایجوکیشن، یونیورسٹی ایجوکیشن ملتان کیمپس، ملتان**

***** اشتراکی ممبر، NRPU 11880، اسسٹنٹ پروفیسر، سابقہ ایڈوائزر گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ڈرامیٹک کلب و حالیہ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ انگریزی، جی سی لاہور**

۱۔ محمد سلیم ملک، ڈاکٹر، "سید امتیاز علی تاج کی تمثیل شناسی"، لاہور: مجلس ترقی ادب، ستمبر ۲۰۱۰ء، ص نمبر ۳۱۳

۲۔ ایضاً، ص نمبر ۱۱۳

۳۔ ایضاً، ص نمبر ۲۱۳

۴۔ ایضاً، ص نمبر: ۵۱۳ تا ۹۱۳

۵۔ "سید امتیاز علی تاج کی تمثیل شناسی"، ص نمبر ۲۲۳ تا ۳۲۳

۶۔ تاج، سید امتیاز علی، مرتبہ: "طالب بنارسی کے ڈرامے" (تعارف)، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، جون ۱۹۵۷ء، ص ن

۷۔ ایضاً

۸۔ عشرت رحمانی، مرتبہ، "آغا حشر کے ڈرامے"، طبع اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، جون ۱۹۸۷ء، ص ۵،۶

۹۔ تدوین ڈراما کے سلسلے میں دی گئی مذکورہ تفصیلات، معلومات اور تحقیقی اعداد و شمار کا ماخذ راقم کا مجلہ "تحقیق نامہ" جلد ۲۳، شمارہ ۱، ص ۲۱۴-۲۲۷، ۲۰۱۸ میں شائع ہونے والا مقالہ بعنوان "پاکستان میں تدوین ڈراما، روایت اور اہمیت" ہے۔ یہاں تک کی تمام تر تفصیلات، اعداد و شمار اور معلومات کو اسی مقالے سے اخذ کیا ہے تاکہ اُردو تدوین ڈراما کی روایت کے تسلسل کو یہاں ایک ہی مقالہ میں تقسیم سے تاحال ایچ ای سی کی جانب سے خصوصاً اُردو ڈراما کی تدوین کے سلسلے میں کئے جانے والے تعاون اور معاونت کے تناظر میں دیکھا جا سکے۔

۱۰۔ سرمد صہبائی، "آڑے ترچھے آئینے، سٹیج ڈرامے"، تحقیق و تدوین: محمد نوید، لاہور: گرمانی مرکز زبان و ادب لمز، اکتوبر ۲۰۲۰ء، ص۹

۱۱۔ یہاں "غلام عباس" اُردو کے افسانہ نگار نہیں بلکہ کوئی اور ہم نام غیر معروف ڈراما نگار ہیں۔

۱۲۔ راولپنڈی آرٹ کونسل میں سیٹ ڈیزائنر تھے اور لیاقت ہال راولپنڈی میں کئی سٹیج ڈراموں کے لیے خدمات انجام دیں ۔ آغا ناصر، آغا بابر، انور سجاد اور دیگر اہم ڈراما نگاروں کے سٹیج ڈراموں کے لیے سیٹ ڈیزائن کیے۔ ریٹائرڈ ہیں، لمحہ موجودہ میں راولپنڈی میں مقیم ہیں۔ ان سے راولپنڈی میں تھئیٹر اور سٹیج ڈرامے کے حوالے سے کئی یادداشتیں مدون کرنے کو ملیں۔

۱۳۔ یہاں ڈاکٹر وقار عظیم سے مراد اُردو افسانہ اور ڈراما کے نامور محقق اور ناقد نہیں بلکہ یہ پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس سے وابستہ ہیں اور

وہاں ڈراما سیکشن میں بطور انچارج/ ڈائریکٹر اپنی عملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۴۔ یہ معلومات ناصر ولیم اور ڈاکٹر وقار عظیم سے انٹرویوز کے دوران حاصل ہوئیں۔ سن کے حوالے سے کسی مستند ذریعے سے علم نہیں ہو سکا۔ البتہ یونیورسٹی آف ایجوکیشن لاہور نے سال ۲۰۲۰ء میں یہ ڈراما اپنی سالانہ سرگرمی کے طور پر لوئر مال کیمپس کے جمنیزیم میں پیش کیا۔

۱۵۔ آغا بابر، "راولپنڈی میں تھئیٹر"، مشمولہ: قند (ڈراما نمبر)، مردان، ۱۹۶۱ء، ص۲۳۴

۱۶۔ https://ur.wikipedia.org/wiki/علی-احمد/

علی احمد پاکستان میں جدید اُردو تھئیٹر کا غیر معروف لیکن انتہائی معتبر حوالہ ہے۔ انہوں نے ناصرف اسٹیج ڈرامے تحریر کیے بلکہ انہیں کراچی، لاہور، راولپنڈی اور اسلام آباد میں اسٹیج بھی کیا۔ افسوس کہ ان سے متعلق کسی اہم اور مستند ذریعے سے خاطر خواہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ البتہ ثمینہ احمد سے ان کے ہاتھ کا ایک تحریر کردہ مقالہ مجھے ملا جسے علیحدہ سے تدوین کے بعد کسی تحقیقی مقالہ کا حصہ بنایا جائے گا۔ ان کے اہل و اعیال سے بھی رابطہ نہیں ہو سکا البتہ ان کے کچھ قریبی دوستوں سے ملاقات ضرور ہوئی لیکن وہ ان کی تاریخ پیدائش سے متعلق لاعلم تھے۔ ان کی زندگی اور تھئیٹر سے وابستگی کے حوالے سے زیادہ تر معلومات کا انحصار راقم کا ثمینہ احمد سے ۷جون ۲۰۰۹ء کو اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لیے لیا گیا انٹرویو ہے۔ جبکہ تاریخ وفات کا حوالہ انٹرنیٹ سے اخذ کیا گیا ہے۔

۱۷۔ تاریخ پیدائش کے حوالے سے یہ معلومات "پی ٹی وی لاہور ڈراموں میں سماجی حقیقیتں" سے اخذ کی گئی ہیں جو ۲۰۰۰ء میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی میں ایم فل اُردو کی سندی تحقیق کے لیے تحریر کیا گیا۔

۱۸۔ یہ معلومات راقم نے اپنی تحریر کردہ کتاب "لاہور میں اُردو تھئیٹر کی روایت اور ارتقاء "۲۰۱۶ء سے اخذ کی ہیں۔

۱۹۸۔ The News(Daily), Friday, 7 June 2019 Lahore.

۲۰۔ ڈاکٹر انور احمد، "اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ"، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۰، ص۶۳۹

۲۱۔ یہ معلومات پنجاب یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی اُردو کی سطح پر تحریر کیے جانے والے غیر مطبوعہ مقالہ بعنوان" آغا بابر حیات اور ادبی خدمات"، مقالہ نگار: درخشاں لیاقت، ۲۰۱۴"ص نمبر ۲۶ سے اخذ کی گئی ہیں۔

۲۲۔ یہ معلومات ناصر ولیم جو کہ راولپنڈی آرٹس کونسل اور لیاقت ہال میں بطور سیٹ آرٹسٹ کے طور پر ملازمت کرتے رہے اور اب ریٹائر ہو چکے ہیں اور ڈاکٹر وقار عظیم جو پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس میں ڈراما سیکشن کے انچارج ہیں ان سے حاصل کی گئیں۔

۲۳۔ محمد سلمان بھٹی، ڈاکٹر، "لاہور میں اُردو تھئیٹر کی روایت اور ارتقا"، کراچی: بک ٹائم، ۲۰۱۶، ص ۲۰۴

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ دوران ریہرسل اصغر ندیم سید اداکار طلبا کے ساتھ چائے پر بے تکلفی سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ اُن کی ڈراما سے متعلق کی گئی باتوں میں سے یہ رائے مجھے آج بھی یاد ہے۔ اس لیے موضوع کی مناسبت سے یہاں اس رائے کو درج کرنا مناسب سمجھا۔

۲۶۔ یہ معلومات ولیم پرویز سے لیے گئے انٹرویو / مکالمے سے اخذ کی گئی ہیں جو راقم الحروف نے اُن سے اسلام آباد میں ۲۴جون ۲۰۲۱ء بروز جمعرات بوقت ۷:۳۰ پر لیا۔ اس کے علاوہ اُن کی جانب سے فراہم کیے گئے تحریری ذاتی کوائف سے بھی مدد حاصل کی گئی۔

۲۷۔ یہ تمام معلومات احمد حبیب کے بھجوائے گئے ذاتی کوائف نامہ سے حاصل کی گئی ہیں۔

۲۸۔ **یہ معلومات ڈاکٹر سیف اللہ کی جانب سے فراہم کردہ تحریری تفصیلات CV سے نقل کی گئی ہیں۔ جو انہوں نے راقم کو بذریعہ ای میل فراہم کیا۔**

۲۹۔ یہ تمام معلومات عزیز اعجاز کی جانب سے فراہم کردہ ذاتی کوائف سے اخذ کی گئی ہیں جو انہوں نے ۱۳ اپریل ۲۰۲۲ء کو ارسال کیا۔

۳۰۔ تاریخ پیدائش نقل بمطابق اصل شناختی کارڈ۔

۳۱۔ سمیر احمد سے ایک غیر رسمی مکالمہ، بتاریخ: ۰۶ اکتوبر ۲۰۲۱، بمقام: لاہور۔

۳۲۔ لاطینی اصطلاح ہے جو کہ زیادہ تر ایسے سفیروں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جنھیں ناپسندیدگی کی بنا پر ملک بدر کر دیا جائے۔ یہاں یہ اصطلاح دو معنوں میں استعمال کی گئی ہے:

اول: ایک شخص کو ناپسندیدہ قرار دے کر محل سے نکال کر کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔

دوم: ایک ہیجڑے / خواجہ سرا کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار جس کا کوئی سماجی مقام و مرتبہ نہیں اور اُس کا محل بدر کیا جانا۔

۳۳۔ یہ تمام معلومات دمینتی گوسائی سے کراچی میں اُن سے ملاقات اور اُن کی جانب سے فراہم کردہ کوائف سے اخذ کی گئی ہیں۔

۳۴۔ یہ تمام تر معلومات اے ڈی بلوچ کے فراہم کردہ ذاتی کوائف نامے سے اخذ کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اُن سے کیے گئے مکالمے سے بھی کئی معلومات اکٹھا کی گئیں جو اُن سے وٹس ایپ کے ذریعے بتاریخ ۲۱ ستمبر ۲۰۲۲ کو کیا۔

۳۵۔ درج شدہ معلومات ڈاکٹر وقار عظیم سے حاصل کیے گیے کوائف نامہ سے نقل کی ہیں جو انہوں نے بتاریخ ۱۶ اکتوبر ۲۰۲۲ کو بذریعہ وٹس ایپ مجھے ارسال کیا۔